ابنِ صفی نے کہا

ترتیب و تحقیق
ابنِ حق

جاسوسی ادب کے خالق، محسنِ اردو محترم جناب اسرار ناروی المعروف
ابنِ صفی (بی اے) مرحوم کے دورِ جدید سے ہم آہنگ لافانی اقوال شیریں

ابنِ صفی بی اے نے کہا

تحریر، تحقیق، تلاش و ترتیب کار
پرستارِ ابنِ صفی
ابنِ حق

City Book Point
Naveed Square, Urdu Bazar
Near Muqadus Mosque Karachi
Ph: 32762483 Cell: 03222820883
Email: citybookurdubazaar@gmail.com

باذوق لوگوں کے لئے خوبصورت اور معیاری کتاب

بیاد

HASAN-DEEN

نام کتاب	:	ابنِ صفی نے کہا
تحریر، تحقیق، تلاش و ترتیب کار	:	ابنِ حق
ناشر	:	سٹی بک پوائنٹ، کراچی
کمپوزنگ	:	شیراز گرافکس
مطبع	:	برکت اینڈ سنز
تعداد	:	500
اشاعت اول	:	اپریل 2013ء
قیمت	:	350 روپے

فہرست

مضمون	صفحہ نمبر

انتساب

شیر شاہ کالونی، کراچی کے دوست
اور میری لائبریری کے ممبر
محترم ”تنویر عادل نجمی“ کے نام
جنہوں نے مجھے ابنِ صفیؒ
کی ناولوں سے متعارف کرایا......

ابنِ حق

جو کہہ گئے وہی ٹھہرا ہمارا فن اسرار
جو کہہ نہ پائے نہ جانے وہ چیز کیا ہوتی

اسرار ناروی
المعروف
ابن صفیؔ مرحوم

پیشِ رس

عرضِ مرتب تحریر
محترم قارئین السلام علیکم!

دُنیا کے اندر لاکھوں انسان آئے اور چلے گئے۔ ان چلے جانے والوں میں نامور لوگ بھی تھے اور معمولی افراد بھی۔ شہرت یافتہ بھی اور غیر معروف بھی۔ اعلیٰ صلاحیتوں کے مالک بھی اور ادنیٰ صلاحیت رکھنے والے بھی۔ خوبصورت بھی بدصورت بھی، عقل مند بھی اور غیر عقل مند بھی، اعلیٰ عہدے والے بھی اور معمولی لوگ بھی۔ راتوں رات شہرت کی بلندیوں کو پانے والے بھی اور آہستہ آہستہ اپنی صلاحیت منوا کر بلندی حاصل کرنے والے بھی۔ ان ہی لوگوں میں ایک اسرار احمد کا نام بھی شامل ہے۔ جسے اردو زبان میں جاسوسی ناول نگار ہونے کی بناء پر ''ابنِ صفی'' کے نام سے جانا اور پہچانا جاتا ہے۔ بہت ہی افسوس کے ساتھ لکھنا پڑ رہا ہے کہ جاسوسی ناول نگاری کو ''ادب'' کا حصہ نہیں مانا جاتا۔ جب کہ یہی اردو زبان یا الفاظ میں افسانہ یا ناول میں کسی ناری کے جسم کے خدوخال کو الفاظی جامہ پہنا کر صفحۂ قرطاس پر تصور کی دُنیا میں بے پردہ کر دیا جائے تو وہ ''ادب'' کا حصہ بن جاتا ہے۔ اور اُسے لطیف گل۔ وی وانوی اور خشونت سنگھ کی صف میں شمار کر کے ایوارڈوں سے نوازا جاتا ہے۔ صاف ستھرا اور نکھرا تفریحی ادب، ادب نہیں کہلاتا۔

میں ابنِ حق، ابنِ صفی سے 1980ء میں متعارف ہوا۔ 1979ء میں شیر شاہ کالونی، کراچی کے علاقے میں اپنی رہائش گاہ میں ایک لائبریری قائم کی تھی۔ میرا ایک لائبریری ممبر جس کا نام ''تنویر عادل نجمی'' ہے۔ نے مجھے ابنِ صفی بی اے کا ایک ناول عمران سیریز لا کر دیا تھا مطالعہ کرنے کے لئے۔ ناول کا نام ''خوفناک عمارت'' تھا۔ اس ناول میں عمران کا سوئی میں دھاگہ ڈالنے والا بے ساختہ مزاح اور اپنے باپ کے آفس میں اُن کی ڈانٹ پر عمران کا کرسی پر بیٹھنے کا عمل مجھے انتہائی نیچرل لگا اور پھر میں نے لاہور سے ابنِ صفی بی اے کے تمام ناولوں کی پانچ پانچ سیٹ بلٹی منگوالی اور لائبریری کی زینت بنادی۔ اور پھر روزانہ ایک ناول کا مطالعہ کرتا

تھا۔ میں نے کئی کئی بار ان کے ناولوں کا مطالعہ کیا۔

ایک دن ''اقوالِ زریں'' کی کتاب پڑھ رہا تھا کہ اچانک دماغ میں کوندا سا لپکا اور یہ خیال گزرا کہ کیوں نہ ابن صفی صاحب کے ناولوں سے ایسی باتیں نکالی جائیں جو ''اقوالِ زریں'' ہوں۔ اور موجودہ دور کے اعتبار سے نئی نسل کو راہ نمائی بخشنے والی ہوں۔ اس ز من میں میری مدد کرنے میں ''تنویر عادل نجمی'' صاحب کا بہت ساتھ رہا۔ انہوں نے میری حوصلہ افزائی بھی کی اور بہت سا کام بھی کرایا۔ میں اس سلسلے میں ان کا تہہ دل سے مشکور ہوں۔

شومئی قسمت 1992ء میں شیر شاہ کالونی کی رہائش کو فروخت کرنا پڑ گیا۔ کچھ حالات کی ستم ظریفی اور بدلتے ہوئے رجحان نے اور پڑھنے والوں کو دیگر مصروفیات نے گھیر لیا۔ لحاظہ مطالعہ کرنے والے آہستہ آہستہ کم ہونے لگے۔ اور پھر مزید مالی گرانی کی وجہ سے مجھے اپنی لائبریری کی تمام کتابیں فروخت کرنا پڑ گئیں۔ لیکن اب بھی جب کبھی وقت ملتا ہے تو ابن صفی بی اے کی ناول اُٹھا لیتا ہوں۔ بار بار پڑھنے کے باوجود ہر بار پڑھنے میں مزا آتا ہے۔ اب ابنِ صفی (مرحوم) کی کتابوں کا تمام سیٹ تو نہیں ہے البتہ کچھ کتابیں میں نے رکھی ہیں۔

زیرِ نظر کتاب ''ابن صفی (بی اے) نے کہا'' ان کے ناولوں سے لئے گئے خاص خاص اقتباسات پر مبنی ہے۔ یہ کتاب میں بلا معاوضہ اور بطور نذرانہ عقیدت بصدِ خلوص محترم ابن صفی (بی اے) کی یاد و محبت میں پیش کر رہا ہوں۔ آخر میں، میں محترم آصف حسن صاحب کا بہت بہت مشکور ہوں گا جنہوں اس کتاب کو تیار کرنے کا بصدِ خلوص اہتمام کیا۔ اور عمدہ ترین کمپوزنگ کرا کے اور بہترین طباعت و سرورق سے مزین کر کے اعلیٰ کاغذ اور خوبصورت بائینڈنگ میں سجا کر پرستارانِ ابن صفی (بی اے) کے لئے ایک تحفہ دیا ہے۔ قیمت بھی انتہائی مناسب رکھی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ صرف حرجہ خرچہ کی رقم وصول کرنا ہے، کمانا مقصود نہیں۔ محترم آصف حسن بھی ابن صفی (بی اے) کے پرستاروں میں سے ایک ہیں۔

''ہمیں'' اور ''سٹی بک پوائنٹ'' ان اداروں کے اور ان حضرات و خواتین کے جن کی تحریریں ہم نے اس کتاب میں بطور ابن صفی کی عقیدت میں شامل اشاعت کی ہیں کے مشکور و ممنون ہیں۔

والسلام خیر اندیش

ابنِ حق 0336-2531220

ابنِ صفیؒ کا مختصر تعارف

اپریل 1928ء بروز جمعہ قصبہ نارہ ضلع الہٰ آباد بھارت میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم قصبے ہی میں حاصل کی، نصابی کتب کے علاوہ جو پہلی کتاب پڑھی وہ طلسم ہوشربا تھی۔

پہلی کہانی ''ناکام آرزو'' اس وقت لکھی جب ساتویں درجے کے طالب علم تھے۔ یہ کہانی عادل رشید (مرحوم) نے اپنے ہفت روزہ رسالے ''شاہد'' میں شائع کی تھی۔ آٹھویں، نویں درجے تک پہنچتے پہنچتے شاعری شروع کردی۔ حضرت جگر مرادآبادی حواس پر چھائے ہوئے تھے لہٰذا عمریات پر طبع آزمائی کی گئی۔

میٹرک تک تعلیم الہٰ آباد میں حاصل کی، پھر 1947ء کے ہنگامے شروع ہو گئے اس لیے بی، اے آگرہ یونیورسٹی سے پرائیویٹ اُمیدوار کی حیثیت سے پاس کیا اسی دوران الہٰ آباد سے ماہنامہ ''نکہت'' جاری کیا جس کے مرتب عباس حسینی تھے اس میں حصہ نظم ان کے حصے میں آیا۔ نکہت ہی میں طنزیہ مضامین کا سلسلہ ''طغرل فرغان'' کے نام سے شروع کیا۔ 11 جنوری 1952ء میں الہٰ آباد سے ہی ادارہ نکہت سے نکلنے والے جاسوسی ماہنامے میں کرنل فریدی کے معرکتہ الآرا کردار پر ناول لکھنے شروع کیے۔ ابھی سات ناول ہی لکھے تھے کہ پاکستان کے شہر کراچی آنا پڑ گیا۔ اگست 1952ء سے یہیں مقیم ہیں۔ 1956ء میں عمران سیریز کے ناول لکھنا شروع کیے۔ عمران سیریز میں کل ایک سو بیس ناولیں اور جاسوسی دنیا کے کل ایک سو پچیس ناولیں لکھی ہیں۔ اس کے علاوہ شکرال سیریز کے ناول اور لاتعداد طنزیہ، مزاحیہ مضامین بھی لکھ چکے ہیں۔

آہ!

26 جولائی 1980ء کو یہ عظیم ہستی محسنِ اُردو، بابائے جاسوسی اس دارِ فانی سے اپنی زندہ جاوید تحریروں کا بیش بہا خزانہ دے کر اپنے خالقِ حقیقی سے جا ملے۔ آج جاسوسی ادب کے خالق ناظم آباد پاپوش نگر کراچی کے قبرستان میں سکون کی ابدی نیند سو رہے ہیں۔ کوئی نہیں ہے جو اب جاسوسی ادب کا علم بلند کرے۔ موصوف کی طرح۔

نذرانۂ عقیدت پیش کرتے ہیں۔ابنِ حسن عثمان آبادی

ابنِ صفیؒ کی رحلت اِک سانحہ ہے

جو ہم سے منہ چھپائے اب دور جا بسا ہے
کیا وہ حقیقتاً ہی ہم سے خفا ہوا ہے
کل تک تو انجمن میں نغمے لٹا رہا تھا!
کیسے یقین کرلوں، وہ آج مرچکا ہے
ابنِ صفی کی رحلت اک سانحہ ہے ایسا
اب بھر نہیں سکے گا جو دُور تک خلا ہے
اپنی متاعِ ہستی اوروں پہ جو لٹا دے!
ایسا عظیم شاعر شاید کہیں ہوا ہے!
اخلاق کا وہ پیکر، اخلاص کا نمونہ!
ڈھونڈو تو اُس کو یارو، دیکھو کہاں چھپا ہے
سرّی ادب میں اُس کا ثانی نہیں ہے کوئی
تھا ابتدا بھی وہ ہی اور وہ ہی انتہا ہے
ابنِ حسنؔ جہاں میں سب کو فنا ہے لیکن
ہرگز مرا نہیں جو بہرِ ادب مٹا ہے

نذرانۂ عقیدت، پیش کرتے ہیں۔قمر تنوجی

اقلیم سخن کا وہ شہنشاہ تھا

صد حیف کہ اب اُس نے کیا ہم سے کنارہ
روشن سرِ آفاق ادب تھا جو ستارہ!
وہ ''ابنِ صفی'' عظمتِ انساں کی علامت
تہذیب سے، اخلاق و مروت سے عبارت
کیا ذکر کروں آپ سے اُس شعلۂ نم کا
یارو! وہ عجب شخص تھا، دُنیائے قلم کا
تھی خامۂ خورشید صفت پر اُسے قدرت
تحریر میں وہ ربط، وہ اسلوب، وہ ندرت
وہ زورِ بیاں تھا کہ کوئی سیلِ رواں تھا!
ہر غنچۂ تخلیق پہ پھولوں کا گماں تھا
ہر بات میں برق و شرر وباد کا لہجہ!
ہر لفظ میں اِک نشترِ فصاد کا لہجہ!
وہ شخص کہ اِک مرد خود آگاہ تھا، لوگو!
اقلیمِ سخن کا وہ شہنشاہ تھا، لوگو!
وہ دُھوپ کے صحرا میں شجر بن کے کھڑا تھا
الفاظ کی دُنیا میں بہر حال بڑا تھا
سُونے ہیں درو بام یہاں شب کا گماں ہے
روشن تھا جہاں جس سے وہ خورشید کہاں ہے؟

"نئے اُفق گروپ آف پبلی کیشنز" کے روحِ رواں جناب مشتاق احمد قریشی "ابنِ صفیؒ" سے کیسے متعارف ہوئے؟

خود مشتاق احمد قریشی کی زبانی

یہ 1956ء کی بات ہے، جب میں نے تازہ تازہ میٹرک پاس کیا تھا۔ ظاہر ہے، اس وقت میری عمر بھی وہی تھی جو عموماً میٹرک کے طالب علم کی ہوتی ہے۔ چونکہ میرا مزاج بچپن ہی سے کچھ روایت شکن اور جارحانہ تھا، چنانچہ...... یہی افتادِ طبع مجھے جاسوسی ناولوں کی طرف لے گئی۔ میں نے میٹرک کرنے سے بہت پہلے ہی جاسوسی دنیا کے ناول پڑھنا شروع کر دیے، یوں کہا جاسکتا ہے کہ شعور آتے ہی جو آنکھیں کھولیں تو وہ جاسوسی دنیا کے ناولوں ہی پر کھولیں...... پھر یہ جنون اتنا بڑھا کہ میں جاسوسی دنیا کے ناول لکھنے والے کا گرویدہ ہوتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ میں اس مصنف سے ملاقات کے لئے بے چین ہو اُٹھا جس نے نادیدہ طور پر میرے ذہن کی تربیت کرنا شروع کر دی تھی۔

میرا یہی اضطراب بالآخر ایک دن مجھے جاسوسی دنیا کے ناولوں کے مصنف محترم ابن صفی (مرحوم) کے درِ فیض پر لے گیا۔ یہ صحیح ہے کہ محترم ابن صفی سے میرا تعلق، اُن کے قلم، اُن کی تحریر کے حوالے سے ہی قائم ہوا۔ لیکن جلد ہی میری عقیدت اور اُن کی محبت ایک ایسے رشتے میں گندھ گئی جس کی مثال مشکل ہے۔ اُنہوں نے ہمیشہ مجھے بہت عزیز رکھا اور خوردی و بزرگی کے باوجود انہوں نے میری عزت کی۔ یہ اُن کے مزاج کا خاصا بھی تھا کہ وہ بڑوں کا احترام اور چھوٹوں کی عزت کرتے تھے۔ یہ اُن کی اعلیٰ ظرفی ہی تھی کہ انہوں نے ہمیشہ مجھے چھوٹے بھائی کی مانند سمجھا۔ میری ذہنی تربیت اور اخلاقی اقدار میں اُن کا بڑا ہاتھ ہے۔ آج میں جو کچھ

بھی ہوں، انہی کی محبت اور شفقت کے فیض کا نتیجہ ہے۔

میں اُس دور کو کبھی نہیں بھول سکتا، جب میں میٹرک کر کے فارغ ہوا تھا اور مزید تعلیم جاری رکھنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ یہ اُس سخت گیری کا ردِ عمل تھا جو والد صاحب اور بڑے بھائی صاحب نے میرے ساتھ روا رکھی تھی۔ میرے والد صاحب اور بڑے بھائی صاحب چاہتے تھے کہ میں شب و روز، صرف نصابی کتابوں سے سر کھپاؤں اور ایک سال میں دو، دو کلاسیں پاس کر کے، جلد از جلد اعلیٰ تعلیم یافتہ انسان بن جاؤں والد صاحب کو اس بات کی بڑی حسرت تھی۔ بھائی صاحب تو اس معاملے میں اتنے جذباتی ہو گئے تھے کہ صبح کے ساتھ ساتھ اُنہوں نے مجھے شام کے اسکول میں بھی داخل کرا دیا تھا۔ (یہ میٹرک سے پہلے کی بات ہے)۔ وہ چاہتے تھے کہ بس میں پڑھوں اور خوب پڑھوں..... جب کبھی میرے ہاتھ میں غیر نصابی کتاب دیکھ لیتے تو بڑی سختی سے باز پرس کرتے۔ یہی سختی میری ذہنی بغاوت کا باعث بنی تھی اور میں نے نصابی کتب میں چھپا کر، ابنِ صفی مرحوم کی جاسوسی دنیا کے ناول پڑھنا شروع کر دیئے پھر اکثر ایسا ہونے لگا کہ میں نصابی کتب میں عمران سیریز یا جاسوسی دنیا کا کوئی ناول پڑھ رہا ہوتا اور بھائی صاحب چوری پکڑ لیتے تو ناول چھین کر پھاڑ دیتے، وہ لمحات میرے لیے بڑے صبر آزما ہوتے۔ ایک بار میں نے مارے طیش کے نصابی کتب پھاڑ ڈالیں۔ مقدمہ، والد صاحب کی عدالت میں پیش ہوا۔ اُنہوں نے مجھے سرزنش کی..... اور ابنِ صفی صاحب مرحوم کو بُرا بھلا کہا کہ اس شخص نے لڑکے کا دماغ خراب کر دیا ہے، نہ جانے ایسا کیا لکھتا ہے کہ یہ لڑکا ہاتھوں سے نکلا جا رہا ہے شاید اُن کو یہ گمان گزرا تھا کہ ابنِ صفی صاحب فحش و عریاں نگاری سے بھرپور ناول لکھتے ہیں، جب ہی طالب علم، نصابی کتابوں میں چھپا کر ناول پڑھتے ہیں۔ اُن کے سوال پر میں نے جرأت سے کام لے کر، والد صاحب سے کہا کہ آپ خود ہی کیوں نہیں پڑھ لیتے؟ معلوم ہو جائے گا، وہ شخص کیا لکھتا ہے۔ یہ تجویز انہیں پسند آئی۔ انہوں نے کہا۔ کوئی کتاب مجھے دو، میں دیکھوں، ان کتابوں میں کیا ہوتا ہے؟ میں نے اُنہیں جو پہلی کتاب دی، وہ غالباً "دھوئیں کی تحریر" تھی۔ وہ کتاب والد صاحب نے دو بار پڑھی اور پھر مجھے بلا کر کہا کہ اس میں تو کوئی ایسی بات نہیں جو قابلِ اعتراض ہو..... میں نے اُن سے کہا کہ میں نہ تو سینما دیکھتا ہوں۔ نہ کھیلنے کے لئے میدانوں میں جاتا ہوں۔ جب نصابی کتب سے اکتا جاتا ہوں تو چپ چاپ

ایک کونے میں بیٹھ کر، یہ ناول پڑھنے لگتا ہوں۔ میرے والد نے ایک طویل سانس لی اور فرمایا۔ ''ٹھیک ہے، تم یہ کتابیں پڑھ سکتے ہو لیکن اس شرط پر کہ پہلے میں پڑھوں گا، بعد میں تم۔ ''اندھا کیا چاہے، دو آنکھیں۔ میں اس شرط پر فوراً راضی ہو گیا...... اور پھر یہ ہونے لگا کہ پہلے وہ کتاب پڑھتے، بعد میں، میں۔ اکثر تو یہ بھی ہوا کہ صرف وہی پڑھتے۔

جب میں تعلیم سے فارغ ہوا تو والد صاحب نے مجھ سے کہا کہ اب تم بھی میرے ساتھ کاروبار میں شریک ہو جاؤ بلکہ بہتر یہی ہے کہ میرا کاروبار سنبھال لو۔ والد صاحب خود بھی چونکہ آبائی ٹرانسپورٹر تھے۔ لہٰذا اُن کا مجھ سے بھی یہی مطالبہ تھا۔ انہوں نے کہا کہ تم نیا ذہن ہو، نیا خون ہو، تعلیم یافتہ ہو، لہٰذا ٹرانسپورٹ کو جدید تکنیک سے روشناس کراؤ اور جدید تقاضوں کے مطابق اس میں تبدیلیاں لاؤ۔

چونکہ مجھے ٹرانسپورٹنگ سے کوئی شغف نہیں تھا چنانچہ میں نے والد صاحب سے انکار کر دیا۔ چراغ پا ہوئے، مگر میری ضد نے انہیں مجبور کر دیا کہ وہ مجھے کسی اور کاروبار کی اجازت دے دیں۔ میں نے اُن سے کہا کہ میں کتابیں چھاپوں گا۔ بہت ناراض ہوئے۔ بالآخر راضی ہو گئے اور پھر میں نے اپنا ایک اشاعتی ادارہ قائم کر لیا۔ یہ ادارہ، اردو بازار کی ایک دکان میں واقع تھا۔

ابنِ صفی صاحب سے نہ صرف میری ملاقات ہو چکی تھی بلکہ تعلقات بھی کافی استوار ہو چکے تھے۔ خاص طور سے اُن کے والد محترم صفی اللہ مرحوم مجھے بہت چاہتے تھے اور پبلشنگ سے متعلق مفید مشورے بھی دیتے رہتے تھے۔ ابنِ صفی صاحب کے مشورے میرے لیے مشعلِ راہ ثابت ہوتے تھے، لیکن کچھ نو عمری اور کچھ ناتجربہ کاری کے باعث، اُس کاروبار کے پرانے اور گھاگ لوگوں کا مقابلہ نہ کر سکا اور انجام کار ایک بڑا سرمایہ لٹا بیٹھا۔ نتیجتاً والد صاحب کا ایک بار پھر اصرار بڑھا کہ میں دوسرے بھائیوں کی طرح، اُن کے ساتھ کاروبار میں شریک ہو جاؤں کیونکہ آج تک ہمارے یہاں کسی نے ملازمت نہیں کی تھی، اپنا آزاد کاروبار ہی کیا تھا۔ لہٰذا والد صاحب نے مجھے بھی ملازمت کی اجازت نہیں دی۔

اس ضمن میں، میں نے محترم ابنِ صفی مرحوم سے مشورہ کرنا ضروری سمجھا۔ انہوں نے ایک مشفق اور مربی کی حیثیت سے مجھے مشورہ دیا کہ چونکہ میں اپنی من مانی کر کے نقصان اُٹھا چکا ہوں، جبکہ والدین نے میری ہر خوشی کو تسلیم کیا ہے۔ اب ضرورت اس بات کی ہے کہ تم اپنے

والد کا کہا مان لو اور جو والد صاحب کہتے ہیں، وہی کرو۔ اس میں تمہاری بہتری ہے۔ چنانچہ اس کے بعد میں نے اپنی باگ ڈور، والد صاحب کے ہاتھ میں دے دی اور اس طرح میں اُن کے ساتھ کاروباری مصروفیات میں گھر گیا۔

تاہم پبلشنگ میرے لیے ایک نشے کی حیثیت رکھتی تھی۔ میں نے اُسے فرصت کے مشغلے کے طور پر اپنا رکھا تھا۔ سرمایہ بھی جھونک رہا تھا اور نقصان بھی اُٹھا رہا تھا مگر یہ مشغلہ ترک کرنے پر آمادہ نہ تھا۔ محترم ابنِ صفی بھی میرے اس طریقۂ کار پر مطمئن ہو گئے تھے...... دراصل، وہ میرے لیے ایک اسکول تھے اور شاید اس اسکول کا میں سب سے ہونہار شاگرد تھا کیونکہ بعد میں، میں نے وہی پیشہ پھر اپنا لیا جس کو ابنِ صفی مرحوم نے اپنے لیے منتخب کیا تھا یعنی پبلشنگ اور آج تک میں اسی پیشے سے وابستہ ہوں۔

آج محترم ابنِ صفی مرحوم، ہم میں نہیں ہیں لیکن انہوں نے جو باغ لگایا تھا، میں اُس کی آبیاری پوری دیانت داری سے کر رہا ہوں کیونکہ دیانت داری ہی ابنِ صفی کا اصول تھا۔ اُن کے کردار کی بلند دیواریں آج بھی میرے گرد حصار کیے ہوئے ہیں۔ میں کبھی کبھی خود کو بہت تنہا سمجھنے لگتا ہوں کیونکہ شاید ہی کوئی دن ایسا گزرتا تھا، جب میں اُن کے پاس نہ پہنچتا تھا...... پورے دن کی روداد جب تک اُن کو نہ سنا لیتا، مضطرب رہتا۔ اُن کا بھی یہی حال تھا۔ اگر دو روز بھی حاضری نہ دے پاتا تو مضطرب ہو کر خود چلے آتے۔

آج ایک ایسی بات قارئین کے گوش گزار کر رہا ہوں جس کے بیان کا شرف صرف مجھے ہی حاصل ہے۔ قارئین بخوبی جانتے ہیں کہ ابنِ صفی مرحوم کی تحریر، فحاشی و عریانی سے پاک تھی۔ شاید وہ اُردو ادب کے واحد قلم کار تھے جنہوں نے عریانی اور فحاشی کا مذموم سہارا لیے بغیر اپنی تحریر کو نہ صرف روشناس کرایا بلکہ عوام سے منوایا بھی۔ دراصل ہر تحریر اپنے مصنف کے کردار، افکار اور اعمال کا پرتو ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ابنِ صفی مرحوم کے کردار کی پختگی اور مزاج کی شائستگی و شگفتگی نے تحریر کے حسن کو کچھ زیادہ ہی مرصع کر دیا ہے۔

ہاں تو ایک بار، بر سبیل تذکرہ، میں نے محترم ابنِ صفی مرحوم سے سوال کیا تھا کہ آپ کی تحریر دوسرے قلم کاروں سے مختلف کیوں ہوتی ہے؟ انہوں نے مختصر سا جواب دیا تھا۔ ''میری تحریروں میں میرے ابا بھی شامل ہوتے ہیں۔'' اس وقت یہ بات میری سمجھ میں نہیں آئی تھی

میرا خیال تھا کہ انہوں نے شاید مذاقاً کہا ہے لیکن ایک روز میں نے پھر اپنا سوال دہرایا تو سنجیدگی سے بولے۔ ''مثلاً کیا چیز میری تحریروں میں نہیں ہے؟'' میں نے جواب دیا۔ ''محبت کرنے کا وہ انداز، وہ طریقے جو دوسرے تحریر کرتے ہیں۔'' دراصل، میں سیکس کے بارے میں کہنا چاہتا تھا لیکن لحاظ کی وجہ سے کہہ نہ پارہا تھا۔ میری بات سن کر، انہوں نے ایک دبا دبا سا قہقہہ لگایا۔ (اُن کی باآواز بلند قہقہہ لگانے کی عادت نہ تھی۔ پورا وجود ہنسی کی شدت سے کانپ اُٹھتا تھا لیکن ہونٹ بھینچے رہتے تھے)۔ پھر بولے۔ ''ارے دِیوانے! پہلے بھی بتا چکا ہوں کہ میری تحریروں میں ابا بھی شامل ہوتے ہیں۔ تم دیکھتے ہو، جو کچھ میں لکھتا رہتا ہوں، وہ ساتھ ساتھ پڑھتے بھی رہتے ہیں۔ اگر میں کبھی کوئی معاشقہ لکھنا بھی چاہوں تو ڈر کے مارے میرا قلم رُک جاتا ہے کہ اگر ابا نے پڑھا تو نہ صرف یہ کہ ڈانٹیں گے بلکہ پھاڑ کر بھی پھینک دیں گے۔ اس لیے میں ایسا لکھتا ہی نہیں جو پہلے میرے لیے اور بعد میں دوسروں کے لئے زحمت کا باعث بنے۔''

پھر اس طرح ابن صفی مرحوم خود بھی اپنی تحریر میں شائستگی کے اتنے عادی ہو گئے کہ یہی بات اُن کی تحریر کا کمال بن گئی۔ اُن کے ابا کا خوف، اُن کے قلم کی آبرو بن گیا۔ وہ اکثر کہا کرتے تھے کہ میرے قلم کی تربیت میں میرے والد کا اور میرے کردار واخلاق اور مذہبی رجحانات کی تربیت میں میری والدہ کا بہت بڑا ہاتھ ہے۔ وہ اپنے والدین کی تربیت کا بہترین مرقع تھے۔ اُن کے والد چونکہ فوج میں تھے، اس لیے اُن کے مزاج میں اُصول پسندی اور کسی حد تک تندخوئی بھی پائی جاتی تھی۔ باوجود اتنی سخت گیری کے، ابنِ صفی مرحوم اپنے والد سے بے پناہ محبت کرتے تھے اور اسی قدر اُن کا احترام کرتے تھے۔ میں شاہد ہوں کہ وہ اپنے والد سے آنکھ ملا کر بات نہیں کرتے تھے۔ اُن کے والد بھی اُن سے غافل نہیں رہتے تھے اور والدہ محترمہ کا تو یہ حال تھا کہ مرتے دم تک اپنے بیٹے اسرار المعروف ابنِ صفی (مرحوم) کی تربیت سے غافل نہیں رہیں۔ اس اعتبار سے ابن صفی مرحوم بہت خوش نصیب انسان تھے کہ انہیں اتنے پاکباز والدین ملے۔

"ریحانہ لطیف" اپنے بھائی جان محترم "ابنِ صفیؒ" کے بارے میں لکھتی ہیں

ہم تین بہنیں اور ایک بھائی تھے۔ ایک بہن جن کا نام خورشید تھا، بھائی جان سے بڑی تھیں۔ دو بہنیں غفیرہ مرحومہ اور میں بھائی جان سے چھوٹی تھیں۔ ہم سب بھائی بہنوں میں بڑی محبت تھی۔ ہم میں سے اگر کسی کو معمولی سے تکلیف ہوتی تو باقی سب اس تکلیف کو اپنے اُوپر محسوس کرتے۔ یہ ہماری والدہ محترمہ کی اچھی تربیت کا نتیجہ تھا کہ ہم آپس میں اس قدر متحد و متفق تھے کہ دیکھنے والے حیران رہ جاتے۔

ہمارا تعلق خاص الٰہ آباد سے نہیں بلکہ الٰہ آباد کے قریبی گاؤں "نارا" سے ہے۔ ہمارا گھرانہ شروع ہی سے علمی و ادبی رہا ہے۔ میری والدہ عربی، فارسی اور ہندی میں بھی دسترس رکھتی تھیں میری والدہ کے نانا حکیم تھے۔ انہوں نے حکمت سے متعلق کئی ضخیم کتب لکھیں جو آج بھی ہندوستان میں طب کے طلباء کے کورس میں شامل ہیں۔ میرے نانا اپنے وقت کے کامیاب وکیل تھے اور میرے والد کے دادا بھی بہت تجربہ کار حکیم تھے۔ اُن کی قابلیت کا یہ عالم تھا کہ ایک خاتون بیٹھی سبزی کاٹ رہی تھیں۔ اُن کو دیکھتے ہی دادا نے کہا تم سبزی کاٹ رہی ہو حالانکہ تم مرنے والی ہو۔ وہ خاتون یہ سن کر ہنس پڑیں۔ وہ سمجھیں کہ بڑے میاں کا دماغ چل گیا ہے لیکن حقیقتاً چند گھنٹوں بعد اُن کا انتقال ہوگیا۔ اس واقعے کے بعد لوگ انہیں جادوگر سمجھنے لگے تھے۔ میرے دادا مولوی عبدالفتاح ریاست گوالیار میں درس و تدریس کے شعبے سے منسلک تھے اُن کے بے شمار شاگرد پاک و ہند میں آج بھی موجود ہیں۔

بھائی جان کو یہ ذہانت ورثے میں ملی تھی۔ ہماری دادی اپنی اولاد میں سب سے زیادہ

میرے ابا کو عزیز رکھتی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ ہم لوگوں سے بہت ہی محبت کرتی تھیں۔ بھائی جان نے پرائمری تک تعلیم نارا میں ہی حاصل کی تھی۔ وہاں کوئی ہائی اسکول نہ تھا اس لیے اماں نے الٰہ آباد ہی میں سکونت اختیار کی حالانکہ اس دور میں کسی بھی خاتون کے لیے یہ بہت مشکل کام تھا کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ تنہا کسی اجنبی جگہ سکونت اختیار کرے، لیکن ہماری اماں بڑی ہی باحوصلہ خاتون تھیں۔ والد صاحب ملازمت کے سلسلے میں کبھی ایک جگہ جم کر نہ رہ سکے۔ یہ اماں ہی کی ہمت تھی جو انہوں نے بھائی جان کی تعلیم کا بیڑا اُٹھایا اور تنہا ماں باپ دونوں کے فرائض انجام دیئے۔ بھائی جان نے پندرہ سولہ سال کی عمر میں نظمیں اور کہانیاں لکھنی شروع کر دی تھیں۔ بمبئی سے ایک رسالہ ''آئینہ'' شائع ہوتا تھا، اس میں بھائی جان کی نظمیں اور کہانیاں چھپتی تھیں۔ بہت سے لوگوں کا خیال تھا کہ زمانۂ طالب علمی میں شعروشاعری کے چکر میں پڑھ کر تعلیم ادھوری رہ جائے گی لیکن بھائی جان نے یہ خیال غلط ثابت کر دکھایا۔

بمبئی کے قریب ایک چھوٹا سا شہر دیولالی ہے۔ 1946ء میں میرے والد بغرض ملازمت دیولالی میں مقیم تھے۔ انہی دنوں مجھ سے بڑی اور بھائی جان سے چھوٹی بہن غفیرہ بیمار ہو گئیں۔ ڈاکٹروں نے تبدیلی آب وہوا کا مشورہ دیا۔ جب ابا کو یہ بات معلوم ہوئی تو وہ خود آ کر ہم لوگوں کو دیولالی لے گئے۔ بھائی جان ہمارے ساتھ نہ جا سکے۔ کیونکہ اُن کے امتحان ہونے والے تھے۔ میں اُس وقت بہت چھوٹی تھی۔ اس لئے میں نے بھائی جان سے جدائی کو زیادہ محسوس نہ کیا لیکن باجی بہت ہی پریشان رہتیں۔ ہر وقت بھائی جان کی باتیں کرتی رہتیں۔ انہی دنوں باجی نے خواب دیکھا کہ ایک بہت بڑا میدان ہے جس میں لوگوں کا بہت بڑا ہجوم ہے وہاں بھائی جان بھی ہیں۔ اسی ہجوم میں سے ایک بزرگ شخصیت آگے بڑھی۔ اُن کے ہاتھوں میں ایک تاج ہے جسے انہوں نے بھائی جان کے سر پر رکھ دیا۔ اُس وقت اُن کا خواب سن کر سب ہنس پڑے لیکن جب جاسوسی دنیا اور عمران سیریز نے نہ صرف پاک وہند بلکہ دیگر ممالک میں دھوم مچا دی تب باجی کے خواب کی تعبیر مل گئی مگر افسوس کہ باجی اس سے بہت پہلے ہی اللہ کو پیاری ہو گئیں۔

دیولالی میں ہم جس مکان میں مقیم تھے اسے چار حصوں میں منقسم کر دیا گیا تھا اور وہاں چار کرایہ دار رہتے تھے۔ اسی میں ایک مدراسی خاندان بھی تھا۔ باجی ہی کی طرح میں بھی اپنے

بھائی جان کے قصیدے پڑھا کرتی تھی۔ مدراسی خاندان کے سربراہ جو فوج میں کسی اعلیٰ عہدے پر فائز تھے میں نے انہیں بتایا کہ میرے بھائی جان تو شاعر ہیں۔ جب بھائی جان گرمیوں کی چھٹیوں میں دیولالی آئے تو وہ مدراسی صاحب جنہیں میں چچا کہتی تھی انہوں نے مجھے سرو کی ایک شاخ دی اور کہا کہ تمہارے بھائی جان اس شاخ پر نظم لکھیں تو میں انہیں شاعر مان لوں گا اور جب میں سرو کی وہ شاخ لے کر گھر آئی تو بہت ہی پریشان تھی کہ پتا نہیں بھائی جان اس پر نظم بھی لکھ سکیں گے یا مجھے شرمندگی اٹھانی پڑے گی۔ بہرحال میں نے وہ شاخ بھائی جان کو دی اور سارا احوال کہہ سنایا اور بہت ہی ملتجی انداز میں اصرار کیا کہ آپ اس شاخ پر ضرور کچھ نہ کچھ لکھیں ورنہ چچا سمجھیں گے کہ میں نے آپ کے بارے میں جھوٹ بولا ہے۔ بھائی جان نے میری بات سنی ان سنی کردی۔ میں بہت ہی جزبز ہوئی کہ اب مذاق اڑے گا اور یہ سوچ کر میں بہت اُداس ہوگئی۔ اس کے بعد میں نے بھائی جان سے بالکل بات نہ کی لیکن میری خوشی کی انتہا نہ رہی، جب دوسری صبح بھائی جان نے مجھے نظم پکڑاتے ہوئے کہا کہ آئندہ کسی سے اس قسم کی باتیں نہ کروں۔

بھائی جان اپنی چھٹیاں گزار کر واپس الٰہ آباد چلے گئے۔ جب تک بھائی جان ہمارے ساتھ رہے باجی کی صحت بہت اچھی ہوگئی لیکن بھائی جان سے جدا ہوتے ہی مرض نے ان پر دوبارہ حملہ کردیا جو جان لیوا ثابت ہوا۔ ان کے انتقال کے بعد ابا نے مجھے اور اماں کو جلد ہی الٰہ آباد پہنچادیا اور میں نے گھر میں جگہ جگہ ایک ہی شعر لکھا دیکھا ؎

اُداس اُداس فضاؤں میں چاندنی صد حیف
دمک رہا ہو کسی لاش پر کفن جیسے !!

الٰہ آباد میں ایک روزنامہ غالباً اُس کا نام ”نیا دور“ تھا اُس میں بھائی جان طغرل فرغان کے نام سے ایک طنزیہ کالم لکھا کرتے تھے۔ اس کالم کا مستقل عنوان ”پوسٹ مارٹم“ تھا۔ پورے شہر میں اس کالم نگار کا چرچا تھا۔ لوگ اس شخصیت کے بارے میں جاننا چاہتے تھے جو اتنی بے باکی اور جرأت سے حکومت پر طنزیہ کالم لکھتا تھا لیکن طغرل فرغان سے صرف اُس کی ماں، بہن واقف تھیں۔ جب میری سہیلیاں طغرل فرغان کی شان میں قصیدے پڑھتیں تو میرا دل خوشی سے جھوم جاتا۔ وہ بحیثیت طغرل فرغان کی بہن کے مجھے نہیں جانتی تھیں۔

بھائی جان کے قریبی احباب یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ وہ کبھی کسی کی دل شکنی نہیں کرتے تھے۔ بھائی جان غصے کو ضبط کرنے کے فن سے واقف تھے۔ ایک بار کسی بات پر مجھے ڈانٹ دیا میں چونکہ اُن سے بہت چھوٹی تھی اس لیے اُن کا ادب واحترام اسی طرح کرتی تھی جس طرح والد صاحب کا کرتی تھی اور شاید بھائی جان بھی مجھ پر زندگی میں پہلی اور آخری بار ناراض ہوئے تھے۔ مجھے بہت ہی دُکھ ہوا۔ بھائی جان کو میری اُداسی کا جلد ہی احساس ہوگیا اور انہوں نے ہاتھ جوڑ کر مجھ سے معافی مانگی اور میں احساس شرمندگی سے مغلوب ہوکر رو پڑی۔

میں اُس وقت بڑی حیران ہوتی جب یہ دیکھتی کہ بھائی جان سے بڑی عمر کے لوگ بھائی جان کو اسرار بھائی کہہ کر مخاطب کرتے۔ اس کا سب سے بڑا سبب وہ ادب واحترام تھا جو بھائی جان کی ذات کا خاصہ تھا۔ وہ ہر ایک کا حد درجہ احترام کرتے خواہ وہ دودھ والا یا سبزی والا ہی کیوں نہ ہو اور وہ لوگ خلوص ومحبت کے اظہار کے طور پر انہیں اسرار بھائی کہتے تھے۔ چھوٹے بڑے سب ہی اُن سے بے پناہ محبت کرتے تھے۔

بھائی جان کو شکار کا شوق زمانہ طالب علمی ہی سے تھا اس بارے میں بھائی جان نے خود بڑا دلچسپ واقعہ سنایا کہ ایک بار دسہرہ کی چھٹیوں میں وہ دادی کے پاس نارا چلے گئے۔ وہاں اپنے ایک کلاس فیلو کے ہمراہ شکار کا پروگرام بنا کر نکل کھڑے ہوئے۔ جاتے ہوئے دادی نے تاکید کی کہ مغرب سے پہلے واپس آجانا لیکن واپسی میں تاخیر ہوئی اور عشاء کا وقت ہوگیا اور یہ بھی عجب اتفاق تھا کہ اُس دن ایک بھی پرندہ شکار نہ کرسکے۔ بھائی جان کو اچھی طرح علم تھا کہ دادی سے زبردست ڈانٹ پڑے گی اور ہوا بھی یہی۔ بھائی جان مسکین صورت بنائے کھڑے رہے اور جیسے ہی وہ سانس لینے کے لئے رُکیں فوراً ہی اپنی بے گناہی کا یقین دلانے کے لئے بولے کہ بس آج تو اللہ نے ہماری جان بچالی۔ بھائی جان نے کسی قدر خوف زدہ ہوکر بتایا کہ ہم نے بہت سے پرندے شکار کیے اور جب گھر آنے لگے تو ذبح کیے ہوئے سارے پرندے پھڑ پھڑا کر اُڑ گئے۔ میری اور میرے ساتھی کی خوف سے بُری حالت تھی۔ اتنا سننا کہ دادی کا سارا غصہ فرو ہوگیا۔ بے چاری فوراً صدقہ خیرات میں لگ گئیں۔

1947ء میں والد صاحب بمبئی سے کراچی منتقل ہوگئے اس وقت بمبئی سے آنے والی

ٹرینیں الہ آباد میں پولیس کے پہرے میں ڈھلوائی جاتی تھیں۔ ان حالات میں نہ ہم ابا کے پاس پہنچ سکتے تھے اور نہ ابا ہمارے پاس الہ آباد۔

بھائی جان کا کبھی کسی سیاسی پارٹی سے کوئی تعلق نہیں تھا لیکن ان دنوں جو خون کی ہولی کھیلی جارہی تھی اُسے مذہبی رنگ دیا جارہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ اس دوران میں بہت سے لوگ کمیونزم کی طرف راغب ہو گئے۔ اگرچہ بھائی جان باقاعدہ اس پارٹی سے منسلک نہ تھے لیکن ان لوگوں میں اُٹھنا بیٹھنا زیادہ تھا۔

1952ء میں ابا ہمیں پاکستان لانے کے لئے الہ آباد آئے ان دنوں بڑی بہن جنہیں ہم سب بہن بھائی بڑی آپا جان کہتے تھے اُن کی بیٹی ہمارے پاس تھی جبکہ اس کی اصل رہائش بارہ بنکی میں تھی۔ جب ہماری روانگی میں تین چار روز رہ گئے تو بھائی جان اُسے پہنچانے بارہ بنکی گئے۔ حسن منزل میں ایک ایسے صاحب بھی رہتے تھے جن کا تعلق سی۔ آئی۔ ڈی سے تھا اُن دنوں بڑے پیمانے پر کمیونسٹوں کی گرفتاریاں ہو رہی تھیں۔ عجب اتفاق تھا کہ وہ صاحب بھائی جان کی عدم موجودگی میں بارہا بھائی جان سے ملنے آئے اُن کی بار بار آمد ہم سب کے لئے باعث تشویش تھی۔ ہم سے زیادہ بھائی جان کے احباب اور اُن کے شاگرد پریشان تھے۔ اس وقت ذہن میں اس کے علاوہ کچھ نہ تھا کہ بھائی جان بھی پولیس والوں کی فہرست میں شامل ہیں۔ جس دن بھائی جان کو الہ آباد واپس آنا تھا صبح سے اُن کے چاہنے والے گھر اور اسٹیشن کے درمیان راستے پر پھیل گئے اور جیسے ہی بھائی جان الہ آباد اسٹیشن پر اُترے انہیں حسن منزل لانے کی بجائے بڑی ہی راز داری سے ایک صاحب اپنے گھر لے گئے۔ بھائی جان اپنی جگہ حیران کہ آخر چکر کیا ہے؟ بہر حال اُن کے مداحوں نے اپنے خیال میں انہیں محفوظ جگہ پہنچا دینے کے بعد اصل صورت حال سے بھائی جان کو آگاہ کیا۔ اُن صاحبان کا پروگرام یہ تھا کہ جب ہم لوگ اسٹیشن پہنچ جائیں گے تو گاڑی کی روانگی سے کچھ عرصہ پہلے بھائی جان کو اسٹیشن پہنچا دیا جائے گا۔

بھائی جان نے اُن کے جذبے اور محبت کا شکریہ ادا کرتے ہوئے چوروں کی طرح چھپ کر بیٹھنے سے انکار کر دیا اور حسن منزل آ گئے۔ سی۔ آئی۔ ڈی کے جن صاحب کو بھائی جان کی تلاش تھی وہ بھی فوراً آ گئے۔ بھائی جان نے اُن کو دیکھتے ہی کہا میں تو یہاں سے جا ہی رہا ہوں

پھر مجھے گرفتار کیوں کرنا چاہتے ہو؟ اب اُن صاحب کے متحیر ہونے کی باری تھی۔ وہ بے ساختہ ہنس پڑے اور بولے مجھے تمہاری تلاش تھی کہ میں یہ مکان کرائے پر لینا چاہتا ہوں۔ قبل اس کے کہ تمہارا سامان یہاں سے نکلے میں اس پر قابض ہونا چاہتا ہوں۔

بہر حال اگر بھائی جان خفیہ طریقے سے روانگی پر تیار ہو جاتے تو الہٰ آباد کے در و دیوار خلوص و محبت کے ان مناظر سے محروم رہ جاتے جو بھائی جان کی روانگی کے وقت نظر آئے...... پلیٹ فارم پر جہاں تک نظر جاتی اسرار ناروی کے چاہنے والے نظر آتے تھے جن میں بھائی جان کے احباب و شاگرد دونوں ہی شامل تھے۔ پاکستان آنے سے قبل بھائی جان یادگار حسینی اسکول میں ٹیچر تھے۔ لمبا سفر وہ بھی ہجرت، سامان بے تحاشا تھا قلی سامان کی طرف لپکے لیکن بھائی جان کے شاگردوں نے انہیں سامان کو ہاتھ بھی نہ لگانے دیا۔ منع کرنے کے باوجود خود ہی سارا سامان ٹرین پر چڑھایا۔ وہاں پر موجود لوگ اس قدر پر جوش روانگی دیکھ کر سمجھے کہ ہم لوگ حج کرنے جا رہے ہیں۔

اس زمانے میں ہندوستان کے کسی بھی گوشے سے حاجی براستہ الہٰ آباد بمبئی جاتے تھے۔ ٹرین کے ذریعے ہم نے بمبئی تک سفر کیا اس کے بعد کراچی پہنچنے کے لئے سمندری سفر شروع کیا۔ جب ہم پاکستان کے لئے روانہ ہوئے تو بھائی جان جاسوسی دنیا کا ناول ''مصنوعی ناک'' لکھ رہے تھے۔ جتنا لکھ چکے تھے عباس حسینی صاحب کو دے آئے تھے باقی یہاں سے بھیجنا تھا بھائی جان نے کاغذ، قلم ہمراہ رکھا کہ ڈھائی دن کے سفر میں بقیہ ناول بھی مکمل ہو جائے گا۔ جب تک جہاز حرکت میں نہیں آیا سارے ہی مسافر چہکتے پھر رہے تھے۔ میں اور بھائی جان بھی عرشے پر کھڑے دور تک پھیلے ہوئے سمندر کو دیکھ رہے تھے لیکن جہاز کے حرکت میں آتے ہی مسافروں کی حالت غیر ہونے لگی۔ چونکہ وہ مون سون کا موسم تھا ظاہر ہے ان حالات میں کچھ لکھنا ناممکن تھا اسی وجہ سے مسودہ مقررہ وقت پر الہٰ آباد نہ جا سکا۔

بھائی جان عموماً رات کو لکھتے تھے۔ اکثر پوری رات لکھتے رہ جاتے کبھی ایک ہی نشست میں آٹھ، دس صفحے لکھ لیتے اور کبھی تین، چار لائنوں سے آگے نہ بڑھتے اور جب ایسا ہوتا تو میں بہت جھلاتی اس لئے کہ بھائی جان لکھتے جاتے اور میں پڑھتی جاتی تھی۔ جب تک میری شادی نہیں ہوئی میں نے چھپا ہوا ناول نہیں پڑا۔ ہمیشہ مسودہ ہی پڑھتی تھی۔

میری بیٹی عفت ڈیڑھ سال کی تھی۔ ٹھیک سے بولتی بھی نہیں تھی۔ ان دنوں بھائی جان جو ناول لکھ رہے تھے اُس کے نام کے سلسلے میں پریشان تھے۔ عفت کو گود میں لے کر اُس سے کہنے لگے بیٹا تم ہی بتاؤ میں کیا نام رکھوں؟ بھائی جان اور بھی باتیں کرتے رہے۔ اسی دوران عفت نے بولنے کی کوشش میں پتا نہیں کیا کہا کہ بھائی جان اُچھل پڑے۔ واہ کیا نام بتایا ہے۔ میں حیرت سے بھائی جان کی طرف دیکھ رہی تھی۔ کہنے لگے اس نے ''لوبولی لا'' بتایا ہے اور پھر وہ ناول ''لوبولی لا'' ہی کے نام سے متعارف ہوا۔

بھائی جان ہمیشہ یہی کہتے، میں جو کچھ بھی ہوں اپنی ماں کی جوتیوں کے طفیل ہوں۔ اور ایک بار میں اُن کے اس جملے کی کا عملی مظاہرہ بھی دیکھ چکی ہوں۔ اماں میرے یہاں آئی ہوئی تھیں۔ بھائی جان مصروفیت کی وجہ سے پندرہ دن اُن سے ملنے نہ آسکے۔ اماں نے ناراضگی سے کہا کہ ہاں بھئی تم ابنِ صفی ہو۔ پوری دنیا میں تمہاری شہرت ہے۔ اماں کا جملہ ختم ہونے سے قبل ہی بھائی جان نے اماں کی چپل اُٹھائی اور اپنے سر پر رکھ لی۔ یہ ماں سے ان کی بے پناہ محبت کا مظاہرہ تھا جو میں نے دیکھا۔

اماں کئی سال بیمار رہیں۔ اُن کے ایک پیر کی رگیں ڈاکٹری تشخیص کے مطابق سکڑ گئی تھیں۔ اور وہ بغیر سہارے کے چل نہیں سکتی تھیں۔ ان کی رفع حاجت کے لئے اُن کے پلنگ کے ساتھ ہی کموڈ لگا ہوا تھا۔ میں نے اکثر بھائی جان کو اس کموڈ کی صفائی کرتے دیکھا ہے۔

بھائی جان تعلیم سے زیادہ تربیت پر زور دیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ وہ مجھے بچوں کی تربیت کے بارے میں بڑے ہی مفید مشوروں سے نوازتے رہتے تھے۔ وہ بچوں کو مارنے کے سخت خلاف تھے۔ وہ سخت تنبیہ کے قائل تھے۔ ایک بار کہنے لگے کہ بچوں کو اسکول جاتے وقت پیسے دیتی ہو۔ میں نے کہا جی ہاں! فوراً کہنے لگے یہ اچھی عادت نہیں ہے۔ میں نے انہیں بتایا کہ پہلے میں اسکول لے جانے کے لئے بچوں کو پیسے نہیں دیتی تھی۔ بچے اکثر مختلف باتیں کرتے جس سے مجھے یہ محسوس ہوا کہ بچے احساس کمتری کا شکار ہو جائیں گے چنانچہ میں بچوں کو اسکول جاتے وقت پیسے دینے لگی مگر اس تاکید کے ساتھ کہ اسکول میں خرچ نہ کریں۔ جب اسکول واپس آئیں پھر جس طرح چاہیں خرچ کریں۔ میرا جواب سن کر مسکراتے ہوئے کہا میں یہ تو بھول ہی گیا تھا کہ ہم دونوں ایک ہی ماں کے تربیت یافتہ ہیں۔

وہ جو کہتے ہیں دل کو دل سے راہ ہوتی ہے مجھے اس کا تجربہ ہے۔ جب بھی کبھی میں پریشان ہوتی بھائی جان فوراً پہنچ جاتے اور مجھے حیرت ہوتی۔ میں اکثر بھائی جان سے کہتی آپ ہندوستان گھوم آئیں۔ وہ ہمیشہ ایک ہی جواب دیتے اُس اذیت میں دوبارہ پڑنا نہیں چاہتا جس سے ایک بار گزر چکا ہوں لیکن اپنی بیماری میں کہا کرتے تھے میں صحت یاب ہو جاؤں تو ایک بار نارا ضرور جاؤں گا۔ جب بھی میرے یہاں آتے ناراہی کی باتیں کرتے۔

بھائی جان کے انتقال پر مختلف اخبارات میں جو کچھ شائع ہوا اُس میں اکثر غلط بیانی تھی۔ بھائی جان کا کوئی بھائی ہوتا تو وہ اُسی وقت تصحیح کر دیتا۔ اب جبکہ پرستارانِ ابنِ صفی کے اصرار پر میں نے قلم اُٹھایا ہی ہے تو کیوں نہ بھائی جان سے متعلق ان غلط فہمیوں کو دور کر دوں۔

روزنامہ مشرق میں بھائی جان کو نوح ناروی کا نواسہ اور شاگرد بتایا گیا ہے جبکہ یہ دونوں ہی باتیں غلط ہیں۔ نوح ناروی رشتے میں ہمارے ماموں ضرور تھے لیکن وہ بھائی جان کے اُستاد نہ تھے۔ بھائی جان نے تو اپنے نام میں ''ناروی'' لکھنا اس لیے چھوڑ دیا تھا کہ اکثر لوگ بھائی جان سے یہ سوال کرتے کہ نوح ناروی سے آپ کا کیا رشتہ ہے۔ اُن کی خودداری اس کی متحمل نہیں ہوسکتی تھی کہ وہ کسی اور کے توسط سے پہچانے جائیں۔ روزنامہ جنگ میں شائع ہونے والے ایک مضمون میں بھائی جان کو دو بہنوں کا بھائی بتایا گیا ہے جبکہ وہ ہم تین بہنوں کے اکلوتے بھائی تھے۔

یہ تھے میرے عظیم بھائی جان جو واقعی فادر ہارڈ اسٹون تھے اور جنہیں دنیا ابنِ صفی کے نام سے جانتی ہے جن کے تقریباً تین سو ناول اُن کی خداداد صلاحیتوں اور ذہنی کاوشوں کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔ آج کا قاری بھی اُن کا ناول ایک ہی نشست میں ختم کرنے کی کوشش کرتا ہے اور یہ کمال کسی اور مصنف کو حاصل نہیں۔ ریڈیو پاکستان کے پروگرام ''جہاں کوئی نہ ہو'' میں بھائی جان کا کہا ہوا یہ فقرہ آج بھی میری سماعتوں میں محفوظ ہے۔

''میں سب کچھ چھوڑ کر تو چلا جاؤں گا لیکن یاد سب آئیں گے۔''

محترم ابنِ صفیؒ کی بھانجی محترمہ "نگہت ریحانہ" اپنے آئیڈیل "ماموں" ابنِ صفیؒ کے بارے میں لکھتی ہیں۔

سبھی سے تیری محبت کی داستاں کہہ دی
میں یہ خزانہ چھپا کر بھلا کہاں رکھتا

ہر انسان کی زندگی میں ایک ہستی ایسی ضرور ہوتی ہے جو محبتوں کی سچائی کا یقین دلاتی ہے جو اعتماد و یقین کی دولت عطا کرتی ہے۔ جس کی معصوم مسکراہٹ زندگی کی معصومیت کا یقین دلاتی ہے۔ جو اپنی آنکھوں میں محبتوں کے دیپ جلائے ہمارے چہار جانب رقصاں رہتی ہے۔ اس کے وجود سے ہمیں محبت کی مہک آتی ہے۔ وہ محبت جو ہمارے لیے حیات کی نیکیوں اور اچھائیوں کی پیامبر ہوتی ہے۔ مجھے بھی اعتماد، یقین، حق و صداقت، خلوص و محبت کے جذبے ایک عظیم شخصیت نے ودیعت کیے ہیں۔ آیئے میں آپ کو اس شخصیت سے ملواتی ہوں، جو میرے عظیم "ماموں جان" کی ہے مگر پھر سوچتی ہوں۔ اُن کی ہمہ گیر ذات کو میں اپنے چند حقیر لفظوں سے کہاں احاطۂ تحریر میں لاسکوں گی۔

آج جب میں نے کسی کے اصرار پر قلم اُٹھایا ہے اور مجھ سے ماموں جان کے بارے میں کچھ لکھنے کو کہا تو میرے ذہن کے پردے پر یادیں اور اُن کی باتیں فلم کی طرح چلنے لگیں۔ ہم تینوں بہنوں اور بھائی کا نام ماموں جان نے خود بڑی محبت اور چاؤ سے رکھا اور ہمیں یہ نام بہت عزیز ہیں۔ جب مجھے اس نام سے پکارا جاتا ہے تو مجھے اس نام میں اپنے پیارے ماموں جان کی خوشبو محسوس ہوتی ہے۔ وہ خوشبو جو آج بھی ہمیں اپنے گھیرے میں لیے ہوئے ہے۔

ماموں جان دھیمے دھیمے لہجے میں مشفقانہ گفتگو کرتے تھے۔ ماموں جان گفتگو کے فن سے واقف تھے۔ آپ ہر عمر کے افراد سے انہی کی ذہنی سطح اور معیار کے مطابق گفتگو کرتے۔ وہ

جب بھی ہمارے گھر آتے، ہم بہن بھائیوں سے ہمارے دل پسند موضوعات پر گفتگو کرتے اور یہ گفتگو کبھی بے مقصد نہیں ہوتی تھی۔ وہ جب بھی کوئی بات کہتے، اُس کی تہ، میں کوئی نہ کوئی مقصد پنہاں ہوتا۔ ماموں جان نے ہمارے درمیان دوستانہ فضا قائم کر کے تکلف اور بلا جواز احترام کی دیوار گرادی تھی۔ ہم میں سے ہر ایک یہ محسوس کرتا کہ ماموں جان اسے زیادہ چاہتے ہیں۔ عصمت کو ہمیشہ گھریلو کام میں دلچسپی لینے کی تلقین کرتے، کیوں کہ امی، ماموں جان سے اکثر یہ شکوہ کرتیں کہ یہ ہر وقت آپ کی کتابوں میں مگن رہتی ہے۔ عفت کو ڈرائنگ کا بڑا شوق تھا۔ اُسے ہمیشہ اس طرح چھیڑتے "اور تم نے کتنی چڑیاں بنائیں۔" ماموں جان اکثر ہمیں مخصوص ناموں سے چھیڑتے تھے۔ وہ اکلوتے بھانجے حارث سے بے پناہ محبت کرتے تھے مجھے یاد ہے ماموں جان ہر ملاقات پر حارث کو ایک روپیہ دیتے۔ جس کو خود ماموں جان نے ٹکٹ کا نام دیا تھا۔ آج بھی حارث کے پاس وہ ٹکٹ بڑے عظیم خزینے کی طرح جمع ہیں۔

میرے لیے ماموں جان ایک آئیڈیل شخصیت تھے۔ ان کی زبان سے نکلا ہوا ہر لفظ میں اپنے دل و دماغ میں محفوظ کرتی۔ ماموں جان مجھے ہمیشہ تلقین کرتے کہ اگر تم اپنی ذات سے کسی کورتی برابر بھی فائدہ پہنچا سکتی ہو تو اس امر میں ذرا نہ ہچکچاؤ مگر اگلے سے کوئی توقع مت رکھو۔ دوسری صورت میں سوائے دُکھ اور ملال کے کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔ خود ماموں جان پوری زندگی اس اصول پر کاربند رہے۔ وہ سراپا محبت تھے۔ ان کی ہمیشہ یہ کوشش رہی کہ ہم اپنی خامیوں اور کوتاہیوں کو دور کرلیں۔ میری جلد طیش میں آجانے کی عادت کو محسوس کرتے ہوئے۔ یکم جون 1972ء کو ماموں جان نے میری آٹوگراف بک پر لکھا:

"تم اُس آگ سے کیوں نہیں ڈرتے جو خود تمہارے اندر ہے۔ غصہ تمہارے اپنے وجود کو اس طرح پھونکتا رہتا ہے کہ تمہیں خبر تک نہیں ہوتی۔ دماغ ٹھنڈا رکھنے کی کوشش کرو!"

ایسے ہی ایک موقعے پر ماموں جان نے لکھا:

"قہقہہ دراصل وہی ہے، جو آنسوؤں کے سمندر میں تیرتا ہوا لبوں تک آتا ہے!"

ہم چاروں بھائی بہنوں سے محبت کا یہ عالم تھا کہ ہمارے ہر رزلٹ کے موقع پر خود آتے، ہم لوگوں کو انعام دیتے اور دل لگا کر محنت سے پڑھنے کی تلقین کرتے۔ مجھے یاد ہے کہ ایک بار رزلٹ کے

موقع پر ماموں جان نے مجھے نقد انعام دیا تو امی نے کہا کہ آپ اس کے پرائز بانڈ لا دیں۔ یہ سن کر ماموں جان نے جواب دیا کہ میں یہ ہرگز نہیں چاہوں گا کہ بچپن سے ان کے ذہن میں بیٹھے بیٹھے بہت سارو پیہ مل جانے کا تصور پروان چڑھے اور یہ محنت کی عظمت سے واقف نہ ہو سکیں۔ آج جب یادوں کو مجتمع کرتی ہوں تو ماموں جان کا ہر ہر لفظ پند و نصیحت کا عظیم درس محسوس ہوتا ہے۔

ماموں جان کی شدید خواہش تھی کہ اُن کے خاندان کا کوئی فرد اس دشت کی سیاحی میں اُن کے ہمراہ ہو۔ جب انہوں نے مجھ میں ان ''جراثیم'' کو محسوس کیا تو بہت خوش ہوئے۔ جب میں نے پہلی بار ان کو اپنا مضمون اور پھر نظم اصلاح کے لیے دی تو ان کی خوشی دیدنی تھی۔ انہوں نے بے ساختہ مجھے گلے لگایا پھر میری حوصلہ افزائی کے لیے ماموں جان اکثر مجھے موضوع دے دیا کرتے۔ میں مضمون لکھ کر اس پر ان سے اصلاح لیتی۔ وہ اس کی خامیوں سے مجھ کو آگاہ کرتے۔ ساتھ ہی پراثر تحریر کے اسرار و رموز سے آگاہ کرتے۔ جب میں نے کالج میگزین کی ادارت سنبھالی تو ہر لمحہ ماموں جان نے میری راہنمائی کی۔ اس وقت وہ ایشیا کے نامور مصنف نہیں بلکہ صرف اور صرف میرے ماموں جان ہوتے تھے۔ ان میں بڑے ادیبوں کی طرح اپنی صلاحیتوں کو صرف اپنی ذات تک محدود رکھنے کا زعم نہیں تھا۔ وہ اپنی صلاحیتوں کو دوسروں تک منتقل کرنا چاہتے تھے۔ جب پہلی بار بچوں کی عمران سیریز منظر عام پر آئی۔ اس وقت بھی ماموں جان نے اس بات کا شدت سے اظہار کیا کہ میں چاہتا ہوں کہ بچوں کی عمران سیریز بھی میرے ادارے سے میری زیر نگرانی شائع ہو اور اس کے لئے ان کی نظرِ انتخاب مجھ پر پڑی تھی لیکن افسوس موت نے انہیں مہلت نہ دی۔ ماموں جان میرے مہربان اُستاد بھی تھے۔ میں نے اپنے شوق کی وجہ سے اختیاری اُردو کا مضمون لے رکھا تھا اور ماموں جان مجھے شفیق اُستاد کی طرح اُردو پڑھاتے اور اس طرح محو ہو جاتے گویا جماعت میں ایک پروفیسر لیکچر دینے میں مصروف ہو۔ آپ کی آواز بہت پُرکشش تھی۔ اس قدر شفقت اور نرمی سے سمجھاتے کہ سب دل میں اُترتا چلا جاتا۔

ماموں جان کی ہستی ایک شجر سایہ دار کی تھی۔ ایسا شجر جس کی چھاؤں اور ٹھنڈک کو ہم آج ترستے ہیں۔ خود ماموں جان کا ایک شعر اُن کی پوری شخصیت کا عکاس ہے۔

وہ جس کا سایہ گھنا گھنا ہے
بہت کڑی دھوپ جھیلتا ہے

ہم لوگوں سے ماموں جان کی محبت کا یہ عالم تھا کہ جس دن نئی کتاب بازار میں آتی ۔ اسی دن خود وہ کتاب ہمارے گھر لے کر آتے ۔ بعد میں ہم سب بہن بھائی دل کھول کر ان کے سامنے اس پر تبصرہ کرتے ۔ آپس میں جھگڑتے اور وہ اپنی مخصوص مسکراہٹ لبوں پر لیے ہمیں دیکھتے رہتے ۔ آخر میں اپنی رائے ظاہر کرتے مگر اس طرح کہ ہم میں سے کسی کو یہ محسوس نہ ہوتا کہ اس کی بات کی نفی کی گئی ہے ۔ بات کو رد کرنا تو وہ جانتے ہی نہ تھے ۔

اکثر میں ماموں جان سے بحث کرتی کہ فریدی تو واقعی سُراغرساں لگتا ہے لیکن عمران اپنے بے سروپا حرکتوں کے بعد اہم کارنامہ انجام دیتا ہے تو لطف نہیں آتا ۔ جس پر ماموں نے جواب دیا کہ دراصل عمران ہی تو میرا آئیڈیل ہے ۔ بچپن میں جب میں باہر جاتا تو اماں تاکید کرتیں کہ کسی حال میں باہر سے تمہاری شکایت نہیں آنی چاہیے ۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کبھی باہر دوستوں میں بحث مباحثہ یا جھگڑا ہو جاتا تو میں مار کھا لیتا لیکن گھر میں ذکر نہیں کرتا اور نہ خود بدلہ لیتا لیکن بعد میں ذہنی طور پر پورا منظر سیٹ کرتا اور خیالات ہی میں بدلہ لیتا اور یہی محرک عمران کی تخلیق کا باعث ہوا جو خاموشی سے اکثر اپنا کام تنہا انجام دیتا ہے ۔

اکثر معروف شخصیات میں فخر و غرور کا عنصر پیدا ہو جاتا ہے اور ماموں جان تو عالمگیر شہرت کے مالک تھے لیکن فخر و غرور نام کی کوئی چیز ان میں موجود نہ تھی ۔ وہ عام آدمی کی طرح زندگی بسر کرتے تھے ۔ ہر وقت ابنِ صفی کو اپنے اوپر طاری نہیں رکھتے تھے ۔ میری سہیلیوں نے جب بھی ماموں جان سے ملنے کا اشتیاق ظاہر کیا ، ماموں جان بڑے تپاک سے اُن سے ملتے ۔

ماموں جان نے ہمیشہ یہ تعلیم دی کہ مل جل کر ہنسی خوشی زندگی گزارو ۔ چند روزہ زندگی میں اختلافات اور نفرتوں کی فصل مت اُگاؤ ۔ یہی وجہ ہے کہ خود بڑی سے بڑی بات نظر انداز کر دیتے تھے ۔ اُن کی اس خوبی کا اعتراف تو وہ نقال بھی کریں گے جنہوں نے ماموں جان کے کرداروں کو اپنایا لیکن ان کے خلاف کبھی کوئی جوابی کارروائی نہیں کی گئی جبکہ میں اکثر خار کھاتی لیکن ماموں جان نے ہمیشہ اپنے ٹھنڈے لہجے میں جواب دیا ۔

"اگر میرے یہ کماؤ پوت کسی کا پیٹ بھرتے ہیں تو میرا کیا جاتا ہے !"

ماموں جان سے گفتگو کے بعد میں نے ہمیشہ یہ نتیجہ اخذ کیا کہ ماموں جان اپنی ماں سے بے پناہ محبت کرتے تھے اکثر کہتے کہ میں آج جو کچھ بھی ہوں اپنی ماں کی دعاؤں کے طفیل ہوں ۔ ہمیں تلقین کرتے کہ ماں جیسی ہستی کبھی دوبارہ نہیں مل سکتی ، ہمیشہ ماں کا کہنا مانو ۔ نانی کے انتقال کے بعد

میں نے یہ بھی دیکھا کہ عظیم ماں کا عظیم بیٹا صبر کا پیکر بھی ہے۔ سب کی آنکھوں سے اشک رواں تھے مگر ماموں جان صبر و استقامت کا پہاڑ بنے ہر ایک کو دلاسہ دے رہے تھے لیکن بہرحال وہ ایک گداز دل کے مالک تھے۔ ایسی شخصیت جو اپنے جذبات کی تشہیر سے گریزاں ہو۔ نانی کے انتقال کے کچھ عرصے کے بعد ماموں جان ہمارے گھر آئے۔ کچھ دیر بیٹھے اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے پھر اچانک مجھے اپنی کرسی کے پاس بلایا۔ نانی کی باتیں شروع کیں پھر ایک دم پھوٹ پھوٹ کر رو پڑے اور کہنے لگے میں اب یتیم ہوا ہوں۔ اماں میری ماں اور باپ دونوں تھیں۔

نانی کے انتقال کے بعد ماموں جان خود کو تنہا سمجھنے لگے تھے اور ماں سے جدائی، دعاؤں سے محرومی کے احساسات کو انہوں نے اس طرح پیش کیا۔

ایک بچہ
اپنی ماں سے بچھڑ گیا ہے
اس میلے میں
اب کیا ہوگا؟
کون اسے گھر لے جائے گا
حیراں حیراں دیکھ رہا ہے
چاروں طرف چہرے ہی چہرے
دُھندلے چہرے
کیا یہ اس کو پہچانیں گے
کیا یہ اسے گھر تک پہنچا دیں گے
کوئی نہیں۔ سب ان دیکھے ان جانے ہیں
سہما سہما چیخ رہا ہے۔ ماں، ماں، ماں

...... اور ماموں جان، ماں سے جدائی زیادہ عرصہ برداشت نہ کر سکے اور صرف ایک سال کے مختصر عرصے میں ماں سے جا ملے۔

آسماں تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

محترم ''ابنِ صفیؒ'' چند قارئین کی نظر میں

زرینہ غوث گیلانی۔ راجن پور سے لکھتی ہیں

محترم ابنِ صفی کے متعلق قلم اُٹھانا، سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہی ہے۔ وہ اتنے اچھے لکھنے والے تھے کہ اُن جیسا آج تک کسی ادیب نے نہیں لکھا۔ اُن کے طرزِ تحریر کی نقل بھی ہر کس و ناکس کے بس کا روگ نہیں۔ اُن کے انداز میں لکھنے والا کوئی مشکل ہی سے پیدا ہوگا۔ اُن کی تحریروں میں اتنی چاشنی، زندہ دلی اور تیز رفتار سپنس فل ہے کہ اُن کی تعریف یہ قلم نہیں کرسکتا۔ آج جب کہ وہ ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن وہ اپنی تحریروں کے ذریعے آج بھی ہمارے درمیان ہیں۔ اللہ تعالیٰ محترم ابن صفی کو غریق رحمت کرے۔ وطن عزیز کے ادب کو ترقی یافتہ ممالک کے ادب کے مقابل پیش کرنے اور نئی پود کے بکھرے اذہان کو حب الوطنی کی طرف مرتکز کرنے میں اُن کی تحریروں کا بڑا ہاتھ ہے۔ محترم ابنِ صفی کا کردار ''عمران'' نہ صرف ایک زندہ دل شخصیت ہے بلکہ اپنے وطن کا وفادار بھی ہے۔ اُن کی تحریر پڑھتے وقت ذرہ برابر بھی احساس نہیں ہوتا کہ یہ کوئی کہانی ہے یا کوئی سچی حقیقت ہے، جسے جھٹلانا ممکن نہیں۔ وہ انتہائی کہنہ مشق ادیب تھے۔ اُن کے کردار عمران سے تو ہم سب کو بے حد عقیدت ہے۔ میں اُن کی تحریریں گزشتہ آٹھ سال سے پڑھ رہی ہوں۔ جب میں پانچویں جماعت میں تھی۔ میں نے اتنے عرصے میں اور بھی ادیبوں کو پڑھا۔ بے شمار کتابیں پڑھیں مگر ان جیسا کسی کو بھی نہ پایا۔ اُن جیسا آج تک کوئی بھی نہیں لکھ سکا۔ اُن کی کہانیوں نے پڑھنے والوں کو زندہ دلی بخشی ہے۔ اُن کی صاف ستھری تحریریں گھر کا ہر فرد پڑھ سکتا ہے اور اُن سے بہت کچھ حاصل بھی کرسکتا ہے۔ میری والدہ کا کہنا ہے کہ جب سے اُنہوں نے محترم ابنِ صفی کو پڑھنا شروع کیا ہے اُس کے بعد کوئی اور تحریر انہیں متاثر نہ کرسکی۔ وہ ان کی پرانی مداح ہیں۔ انہوں نے اُردو ادب کی اور

وطن کی بڑی خدمت کی ہے۔ وہ اتنے بے تکلف انداز میں لکھتے ہیں کہ ان کے پڑھنے والوں کے درمیان وہ اجنبیت نہیں رہتی جو عام مصنف اور قاری کے درمیان ہوتی ہے۔ اُن کی تحریریں پڑھ کر یوں محسوس ہوتا ہے جیسے ہم انہیں ذاتی طور پر جانتے ہوں۔ وہ عوام کے مصنف ہیں اور عوام کے اس قدر قریب آ جاتے ہیں کہ بعض اوقات کاغذ اور قلم کا پردہ بھی درمیان میں محسوس نہیں ہوتا۔ اُن کی ڈائری کے یہ شعر مجھے بے حد پسند ہیں۔

جو ڈبو دیں وہ سمندر ہی بھلے
فلسفیوں سے تو قلندر ہی بھلے
گر سناؤ تو اُلجھتے بھی ہیں
تم سے تو راہ کے پتھر ہی بھلے
جب تباہی پہ تُلے خود ہی مٹے
داستانوں کے ستم گر ہی بھلے

خدا انہیں غریقِ رحمت کرے (آمین)

محمد اقبال یونس لکھتے ہیں:

کافی عرصہ گزر چکا ہے اب صحیح سن اور تاریخ تو یاد نہیں۔ ہم اپنے گاؤں کی اکلوتی لائبریری ''دارالادب لائبریری'' میں کسی دلچسپ کتاب کی تلاش میں گئے۔ زیادہ تر کتابیں ہماری پڑھی ہوئی تھیں۔ ہم اس وقت غالباً چھٹی جماعت کے طالب علم تھے لیکن چونکہ پورا خاندان ادبی ذوق کا حامل تھا۔ اس لیے ہمیں کسی قسم کی کتاب پڑھنے میں دشواری پیش نہ آتی تھی۔ ہمارے پسندیدہ مصنف نسیم حجازی اور صادق حسین صدیقی تھے۔ اس روز ان دونوں مصنفین کی کتابیں دستیاب نہ ہو سکیں تو لائبریرین نے ہمیں ایک کتاب شوکت تھانوی صاحب کی اور ایک کتاب ابنِ صفی صاحب کی دے دی۔ شوکت صاحب کی چند کتابیں ہم پہلے بھی پڑھ چکے تھے لیکن کتاب ''جاسوسی دُنیا'' جس کے مصنف ابنِ صفی صاحب تھے ہمارے لیے بالکل نئی تھی۔ اگرچہ ٹائٹل پر جاسوسی دنیا لکھا ہوا تھا لیکن اندر ''شعلوں کا ناچ'' لکھا تھا۔ مگر ہماری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ یہ کتاب ہے یا رسالہ، اگر کتاب ہے تو مصنف ابنِ صفی صاحب ہوئے، یہ عباس حسینی صاحب کا نام کیوں لکھا ہوا ہے؟

بہر حال کتاب پڑھی۔ ہماری علمی قابلیت کا اندازہ تو بآسانی کیا جا سکتا ہے۔ ہم نے کتاب میں چند غلطیاں نکالیں اور اپنی والدہ صاحبہ سے داد چاہی کہ مصنف کی املا غلط ہے۔ اس نے کھلونے بکواتے وقت سرفراز کی طرف سے صدا لگائی ہے۔ چار چر آنے۔ جبکہ صحیح املا چار چار آنے ہونا چاہیئے۔ دوسرا یہ کہ باب وہاں ختم ہونا چاہیے، جہاں کوئی واقعہ ختم ہو۔ یہاں تو باب ختم کرتے وقت بھی پیراگراف کا تسلسل قائم رکھا گیا ہے اور تیسرے یہ کہ ڈریلا مورگن کے ضمن میں مصنف نے یہ لکھا ہے۔ ”وہ اس کی بیوی کا شوہر ہے۔ اس لیے وہ اس پر بھروسہ کرتا ہے۔“ وغیرہ وغیرہ۔ والدہ صاحبہ نے ہمیں ڈانٹ بھی پلائی اور ہماری غلطیوں کی نشاندہی بھی کی لیکن وہ کتاب ہمیں اتنی پسند آئی کہ ذہن میں بیٹھ گئی۔

کافی عرصہ بعد ہمیں ابنِ صفی صاحب کی ایک اور کتاب فرہاد 59ء ملی۔ بس اُس دن سے ہم اُن کے ناولوں کے دیوانے ہو گئے۔ دل میں خواہش انگڑائیاں لینے لگی کہ ابنِ صفی صاحب سے ملا جائے۔ 1961ء میں ہماری یہ خواہش اچانک پوری ہوگئی۔ ہمارے کالج کی طرف سے پورے مغربی پاکستان کے دورے کا پروگرام بنا، جس میں کراچی بھی شامل تھا۔ قاعدہ یہ تھا کہ طے شدہ پروگرام کے علاوہ کچھ وقت نجی ملاقاتوں کے لیے بھی دیا جاتا تھا۔ ہم اپنے ایک ہم ذوق دوست جناب نصیر احمد قریشی صاحب کے ساتھ اپنے پروفیسر کاظم علی کاظمی صاحب سے اجازت لے کر لالوکھیت تلاش کرنے نکلے۔ صدر کے اسٹاپ سے لالوکھیت جانے والی بس میں سوار تو ہو گئے لیکن راستے کا کچھ پتا نہ تھا۔ ایک صاحب سے پوچھا تو بصد عنایت ہمیں منزل مقصود تک پہنچانے کے لیے تیار ہو گئے لیکن ہم کچھ گھبرا سے گئے کیونکہ سن رکھا تھا کہ کراچی شہر میں جہاں دل والے بستے ہیں، وہاں نوسرباز بھی رہتے ہیں، پھر سوچا کہ ہمارے پاس چند روپوں کے علاوہ ہے بھی کیا۔ قاعدے کے مطابق ہماری رقومات پروفیسر صاحب کے پاس جمع تھیں تین ہٹی کے پل پر اُتر کر وہ صاحب ہمیں ایک ہوٹل میں لے گئے۔ بصد اصرار ہمیں چائے پلوائی بسکٹ کھلوائے، خود شامل نہ ہوئے اور ویٹر سے بلا کر پوری معلومات حاصل کیں۔ اس کے بعد پیدل گھوم گھام کر وہاں پہنچے، جہاں کا ایڈریس ہم نے ایک ناول سے نوٹ کیا تھا۔ وہاں جا کر معلوم ہوا کہ اسرار صاحب تو فردوس کالونی شفٹ ہو گئے ہیں۔ یہ وہ دور تھا جب ابنِ صفی صاحب بیماری سے شفایاب ہوئے تھے۔ بہر حال ہم فردوس کالونی پہنچے۔ ابنِ صفی

صاحب کا دفتر آسانی سے مل تو گیا لیکن بند تھا ہمارے رہنما بزرگ جو کہ شیروانی اور چوڑی دار پاجامے میں ملبوس تھے اور چہرہ سنت نبویؐ سے آراستہ تھا۔ انہوں نے فوراً ہی برابر میں فوٹو گرافر صاحب کی دکان سے معلومات حاصل کیں۔ جن کا لُب لباب یہ تھا کہ کل صبح 11 بجے ابنِ صفی صاحب سے ملاقات ہو سکتی ہے۔ فوٹو گرافر صاحب نے ابنِ صفی صاحب اور عباس حسینی صاحب کے مشترکہ فوٹو کے دو پرنٹ بھی ہمیں دکھائے اور دس روپے لے کر ہمارے حوالے کر دیئے۔ بزرگ رہنما نے کمال مہربانی سے ہمیں ہماری منزل مقصود تک پہنچانے والی بس میں بٹھایا۔ لہجے سے وہ یوپی کے رہنے والے لگتے تھے۔ ہم نے ان کا شکریہ ادا کیا اور وہ ہمیں اپنا نام بتائے بغیر ہی چلے گئے۔ اب تک ان کی پر شفقت گفتگو اور خلیق سانولا چہرہ نظروں کے سامنے ہے۔

دوسرے دن گیارہ بجے ابنِ صفی صاحب کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ بڑے اخلاق سے ملے۔ ہم نے ان کی خیریت دریافت کی، بتایا کہ ہم سیالکوٹ سے حاضر ہوئے ہیں۔ ان کے چند ناولوں کے بارے میں بحث کی۔ اُن لوگوں کا قصہ چل نکلا جو کہ ان کے ناول دھڑلے سے خود شائع کر کے فروخت کر رہے تھے۔ کہنے لگے کہ میں نے قانونی کارروائی کی تھی لیکن سب فٹ پاتھیے تھے، بھاگ جاتے تھے پھر انہوں نے علامہ اقبال کا ایک شعر سنایا اور پھر کہنے لگے کہ آپ چائے پئیں گے یا لسی۔

ہم نے معذرت کر لی۔ تو فرمایا کہ پنجاب کے لوگ لسی زیادہ پیتے ہیں اس لیے پوچھا ہے۔ پیپر کے بارے میں کہا کہ قیمت بہت زیادہ ہے۔ پبلشرز میں کھل کر نہیں لکھتے۔ کوشش یہ کرتے ہیں کہ کسی بلیچڈ پیپر مل جائے، اگر وہ نہ ملے تو پھر ہم سفید کاغذ خریدتے ہیں کیونکہ یہ بہت مہنگا پڑتا ہے پھر مذاقاً کہنے لگے کہ یہاں کراچی میں ہر دکان پر لکھا ہوتا ہے کہ پنجاب کا خالص گھی...... اگر یہ سب یہاں آجاتا ہے تو آپ لوگوں کے لیے کیا بچتا ہے؟ ہم نے دریافت کیا کہ صاحب یہ بدر ناروی صاحب کون ہیں، جن کا نام کبھی کبھی پرنٹ لائن میں لکھا ہوتا ہے۔ کچھ تامل کیا کہنے لگے اپنے عزیز تھے پھر اضافہ کیا کہ اپنے بہنوئی تھے۔ ہم نے پوچھا کہ کیا آپ نے ایک ناول "سانپوں کا بادشاہ" بھی لکھا تھا اسرار ناروی کے نام سے؟ لیکن پیشتر اس کے کہ وہ جواب دیتے، ایک سفید براق داڑھی والے بزرگ آلو چھولے کھاتے ہوئے آئے

اور ابنِ صفی صاحب سے کچھ پوچھنے لگے۔ جس طریقے سے وہ ابن صفی صاحب سے باتیں کر رہے تھے، ہمیں شک پڑا کہ وہ ضرور صفی صاحب ہوں گے لیکن پوچھنے کو بد تہذیبی خیال کر کے رہ گئے اور پھر ہمارے ذہن سے اپنا سوال ہی نکل گیا۔

ہم نے دریافت کیا کہ اکرم الہٰ آبادی کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔ کیا اُن کے کردار خان اور بالے اور فریدی اور حمید میں مماثلت نہیں ہے۔ کہنے لگے میں صرف یہ کہوں گا کہ میرے کردار اوریجنل ہیں۔ ہم نے عرض کیا کہ کچھ پرانے ناول مل سکتے ہیں؟ اس پر وہ بزرگ دخل اندازی کرتے ہوئے بولے کہ ''ان کی بیماری کی وجہ سے چند پارسل بندھے پڑے ہیں آپ وہ دیکھ لیں۔'' ہم نے چند ناول منتخب کیے اور مزید ناولوں کی فہرست طلب کی۔ جواباً انہوں نے ہمارے ہاتھ میں ایک اسکول ایکسر سائز بک تھما دی۔ جس میں تمام کتابوں کے نام درج تھے جو انہوں نے اس وقت تک لکھی تھیں۔ ان میں ایک کتاب کا نام ''اُلٹی کھوپڑی'' درج تھا۔ میں نے ابنِ صفی کی توجہ اس طرف مبذول کرائی کہ اس نام کی کتاب میرا خیال ہے کہ آپ نے نہیں لکھی۔ انہوں نے فوراً نوٹ بک پر تصحیح کر دی کہ یہ اُلٹی کھوپڑی نہیں بلکہ اُلٹی تصویر ہے۔ ہم نے کتابوں کی قیمت ادا کی اور شکریہ ادا کر کے نکل آئے۔

اُن کی عظمت کا بت جو دل میں تھا وہ اور بھی عظیم ہو گیا کہ اتنا بڑا مصنف اور اتنا انکسار۔ ان کی وہ تصویر دل میں آج بھی دل پر نقش اور اپنی تحریروں میں وہ آج بھی زندہ ہیں۔ اجازت لیتے وقت وہ تصویریں ہم نے ان کی خدمت میں پیش کیں جو کہ گزشتہ روز ہم نے فوٹو گرافر سے خریدی تھیں۔ ابنِ صفی صاحب نے اُن پر اپنے دستخط کر دیے۔ یہ تصویریں آج بھی میرے پاس محفوظ ہیں اور اُس ملاقات کی یاد دلاتی ہیں۔

"عمران سیریز" کا ہیرو "عمران" کیسے اور کیوں تخلیق ہوا۔ اس راز سے پردہ ہٹاتے ہیں۔ محترم "رؤف خوشتر" صاحب

1947ء اپنے دامن میں سیاسی اور ادبی آزادی لے کر آیا۔ رومانیت اور حقیقت پسندی کے پردے میں تمام قدروں کو بالائے طاق رکھ کر جنسی چٹخارے نیم پختہ نوجوانوں کو گدگدا رہے تھے۔ ایسے ماحول میں 1952ء میں ابنِ صفی نے ایک چیلنج کے ساتھ اُس فحش زدہ سیلاب کو روکنے اور عام قاری کا ذوق بدلنے کے لیے ہی جاسوسی ناول لکھنا شروع کیے۔ ابنِ صفی کے صاف ستھرے ناولوں کی بدولت ہی قارئین کا مطالعہ سنور اور سدھر گیا۔ اُن کا چبھتا اور شائستہ اندازِ نگارش تین نسلوں کو متاثر کر رہا ہے اور آئندہ بھی کرتا رہے گا۔ خود میری ادبی شخصیت کی تعمیر و تشکیل میں کلام غالب، مکتوب آزاد اور اسلوب ابنِ صفی کا بڑا دخل رہا ہے۔

ابنِ صفی کا ذہن ایک بڑے ڈیپارٹمنٹل اسٹور کی طرح تھا، جس میں زندگی کے مختلف شعبہ جات کے متعلق تفصیل سے معلومات ملتی ہیں۔ اس طرح انہوں نے ثابت کیا کہ جاسوسی ناول نویس بھی ایک گہرے مطالعے اور وسیع معلومات کے متقاضی ہیں۔

قوسِ قزح سے دلکش اور دلفریب سات رنگوں پر مشتمل سات کردار صفدر، جولیا، سنگ ہی، تھریسیا، جوزف، سلیمان اور علی عمران ہیں۔ ان سب میں گہرا اور دل آویز رنگ خود علی عمران کا ہے۔

علی عمران جو ایم۔ ایس۔ سی، پی۔ ایچ۔ ڈی ہے، جس کے پاس ڈگریوں کی فوج ہے لیکن اُس نے ڈگریوں کو سرد خانے میں محفوظ کر رکھا ہے۔ اس کردار کے ذریعے ابنِ صفی سارے معاشرے پر طنز کرتے ہیں کہ اب ہم ڈگریوں کے سائے میں چلتے ہیں۔ ہمارے ہر قول و فعل پر ڈگریوں کا پرتو نظر آتا ہے اور یوں انا کا حصار ہمیں دوسروں کے دلوں میں اُترنے سے روکتا ہے لیکن عمران اپنی ساری حماقتوں اور معصومیت کے ساتھ یوں جلوہ گر ہوتا ہے کہ سلیمان ہو

یاسر سلطان، سبھی اس خبطی اور ازلی بے وقوف کے گرویدہ نظر آتے ہیں۔ اس کی ٹیڑھی شخصیت پر ابنِ صفی نے ناول ''گھر کا بھیدی'' میں مفصل روشنی ڈالی ہے۔ وہ رقمطراز ہیں۔

''لوگ اکثر سوچتے ہیں کہ عمران کی شخصیت اتنی غیر متوازن کیوں ہے؟ وہ ہر معاملے کو ہنسی میں کیوں اُڑا دیتا ہے؟ والدین کا احترام اُس طرح کیوں نہیں کرتا جیسے کرنا چاہیے؟ اس کے پیچھے بھی ایک طویل کہانی ہے۔ بچپن میں ماں اُسے نماز روزے سے لگانا چاہتی تھی۔ باپ نے ایک امریکی مشن اسکول میں داخل کر دیا۔ باپ سخت گیر آدمی تھے۔ اپنے آگے کسی کی چلنے نہ دیتے تو عمران بچپن ہی سے دُہری زندگی گزارنے کا عادی ہوتا گیا۔ باہر کچھ ہوتا تھا اور گھر میں کچھ...... مشن اسکول اور گھریلو تربیت کے تضاد نے اُسے بچپن ہی سے ذہنی کش مکش میں مبتلا کر دیا تھا۔ ہر چیز کا مضحکہ اُڑا دینے کی عادت پڑتی جا رہی تھی۔''

کیا اس قسم کا تضاد ہمارے گھروں میں نہیں؟ کیا آج نئی نسل، دُہری زندگی گزارنے پر مجبور نہیں؟ اگر آپ ان کے چہروں کو پڑھیں گے تو کیا یہ نہیں کہیں گے کہ اس شہر میں ہر شخص عمران سا کیوں ہے؟

تو ماہر نفسیات کے نزدیک خود عمران ایک کیس ہے اور وہی مجرمانہ کیس کی گتھیاں ایسے سلجھاتا ہے کہ مجرم اور پولیس دونوں حیران رہ جاتے ہیں لیکن اس کا طریقۂ کار اتنا عجیب ہے کہ مروجہ قانونی چوکھٹے میں نہیں سماتا۔ اسی لیے پولیس اُسے مجرم اور مجرم پولیس کا انفارمر سمجھتے ہیں اور سب اس سے متنفر ہیں۔

اگر عمران بزم میں کیپٹن حمید سے زیادہ بذلہ سنج، پرلطف اور کھلنڈرا ہے تو رزم میں فریدی سے بڑھ کر جیالا اور بہادر ہے۔

فریدی کا کردار اتنا سپاٹ اور خشک ہو گیا ہے کہ ہمیں جلد ہی حمید کی طرح راہ فرار اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اپنی تمام خوبیوں اور اعلیٰ صفات کے باوجود فریدی زیادہ دیر تک نہیں چل سکتا اور مجبوراً ابنِ صفی نے حمید اور قاسم کو بیساکھیاں بنا کر اس مافوق الفطرت کردار کو آگے بڑھنے پر مجبور کیا۔

اس کے برخلاف عمران کا کردار خاصا تہ دار اور پرپیچ ہے خود اس کے چار روپ ہیں۔ عمران، ایکس ٹو، پرنس آف ڈھمپ اور رانا تہور علی...... مختلف سطحوں پر مختلف کرداروں کے ساتھ ذہنی تصادم، خاصا ہنگامہ اور دلچسپی پیدا کرتے ہیں۔ اپنے والد رحمٰن صاحب سے لے کر

توکر سلیمان تک ہر سطح اور ہر کردار کے ساتھ اپنی انفرادیت اور توانائی برقرار رکھتا ہے۔

یہ ابنِ صفی کے شگفتہ قلم کا نتیجہ ہے کہ ہر ناول میں عمران ہمارے سامنے نت نئے روپ میں آتا ہے۔

کبھی وہ پرانی کار میں بیٹھ کر بھیک مانگ رہا ہے (دوسری آنکھ)

تو کبھی ایک معمر باریش بزرگ کو سائیکل چلانے پر اس لیے ٹوک رہا ہے کہ داڑھی کے بال ہلا کر سیکل چلاتے شرم نہیں آتی۔ (گمشدہ شہزادی)

تو کبھی اپاہج اور بیوی سے خوفزدہ شوہر بن کر ریناڈکسن کے گھر پناہ لیتا ہے۔ (سبز لہو)

کبھی پیکسی کے ساتھ سرکس میں مسخرا بن جاتا ہے۔ (کالی تصویر)

غرض ہر ناول میں اس کی عجیب وغریب حرکات وافعال پر سب کو تعجب ہوتا ہے۔ بعد میں پتا چلتا ہے کہ یہ تو ایک ڈھونگ تھا۔ مجرم تک رسائی پانے کے لیے...... تب ہم عمران کی ذہانت اور شجاعت کے قائل ہو جاتے ہیں۔ علامہ دہشت، ظلمات کا دیوتا، بے باکوں کی تلاش، درندوں کی بستی سیریز میں عمران پورے شباب پر نظر آتا ہے۔

ابن صفی نے علامہ دہشت ناک کا کردار بڑی چابکدستی سے کھینچا ہے۔ علامہ دہشت جو یونیورسٹی میں سوشیالوجی کا پروفیسر ہے اور اپنے دہشت ناک خیالات کی بنا پر شاگردوں اور معتقدوں میں مقبول ہے۔ صرف ذہین اور طاقت ور انسان کو زندہ رہنے کا اہل سمجھتا ہے، کمزوروں اور بزدلوں کو کیڑے مکوڑے جانتا ہے عمران اُس کی معتقد طالبہ شیلا دھنی رام کو کیسے رام کرتا ہے ملاحظہ ہو۔

''میں خواہ مخواہ اپنے ذہن کو تھکا دینے کا قائل نہیں ہوں، جب جو کچھ ہوگا دیکھا جائے گا اور میں تو اس کا عادی ہوں۔ میرے ملازم ہی مجھے صبح سے شام تک بے وقوف بناتے رہتے ہیں۔''

''اور آپ بنتے رہتے ہیں؟''

''پھر کیا کروں۔ عقل مندوں کی زندگی جہنم بن جاتی ہے۔ جو کچھ بھی گزرے چپ چاپ جھیلتے رہو۔ مگن رہو؟''

''آپ تو ایک بالکل ہی نئی بات سنا رہے ہیں'' شیلا نے اُسے گھورتے ہوئے کہا۔ وہ سوچنے لگی کہ ذہین کہلانے کا اہل علامہ دہشت ہے یا یہ بے وقوف آدمی۔

''جب سے آدمی کو اپنا ادراک ہوا ہے، وہ اس کش مکش میں مبتلا ہے۔ اُسے بے وقوف بننا چاہیے کہ نہیں، جو بے وقوف نہیں بننا پسند کرتے وہ زندگی بھر جلتے رہتے ہیں۔''

یہاں ابنِ صفی نے عمران کے ذریعے زندگی کا ایک حقیقی فلسفہ پیش کیا ہے۔ سیاسی برتری کے پردے میں دراصل ذہنی برتری کام کر رہی ہے۔ مختلف فلسفۂ حیات دراصل ذہین شخصیتوں کے ماحول سے بیزاری کا نتیجہ ہے، جو جتنا ذہین ہوگا اتنا ہی چالاک ہوگا اور کرۂ ارض پر فتنے کا سبب ہوگا۔

اسی طرح ''کالی تصویر'' میں عمران ناول کے اختتام پر صفدر سعید سے کہتا ہے!

''اگر میں سڑکوں پر ناچتا پھروں تو لوگ مجھے پاگل قرار دیں گے لیکن اگر میں لاشوں کے انبار پر رقص کروں تو میرے سینے پر تمغے سجائے جائیں گے۔ اس دنیا میں اگر تمہیں ایک بھی ہوش مند ملے تو مجھے بتلانا۔''

یہاں بے فکرا اور مسخرہ عمران سنجیدہ اور حساس فرد بن جاتا ہے جسے تباہی و بربادی کا بخوبی علم ہے۔

ایک اچھے خالق کی طرح ابنِ صفی نے بھی زندگی کے سارے رنگ زندہ و متحرک انسان کے سارے جذبات، کیفیات و تجربات کو عمران کے کردار میں بھر دینے کی کامیاب کوشش کی ہے، اس طرح یہ اُردو ادب میں ایک جیتا جاگتا کردار بن گیا ہے۔ سنگ ہی، تھریسیا، جولیا، فیاض اور روشی سب اس عجیب وغریب کردار کی نفسیاتی پیچیدگیوں کی وجہ سے کبھی محبت اور کبھی نفرت کی کیفیت سے گزرتے ہیں۔

رسوائے زمانہ سنگ ہی، جس سے ساری حکومتیں نالاں ہیں۔ عمران کو بھتیجا ماننے پر مجبور ہے۔ دیکھیے کس طرح عمران کو خراج تحسین پیش کرتا ہے۔

''میں تو نسلاً ولد الحرام ہوں، (وہ محاورۃً حرامی ہے) یقین مانئے اگر وہ عورت ہوتا اور میں شادی کر لیتا تو روئے زمین پر ہماری اولاد سے زیادہ شاطر اور چالاک اولاد نہ ہوتی۔

(خونریز تصادم)

ایک اور ناول ''زہریلی تصویر'' میں عمران، سنگ ہی کا قیدی بنا ہوا ہے اور کافی طلب کرتا ہے جب کہ سنگ ہی شراب کی بوتلیں خالی کر رہا ہے۔

سنگ ہی، عمران کو شراب پیش کرتا ہے۔ عمران کہتا ہے۔ ''میں ڈرتا ہوں۔''

''یہاں اس ویرانے میں کس سے ڈر لگتا ہے؟''

''عمران سے۔''

''یہ کیا بات ہوئی؟''

''بڑی بات ہوئی۔''

یہاں عمران کے کردار کی اس خود آگہی کا پہلو بھی سامنے آتا ہے کہ وہ موقع و محل پر اپنی شخصیت کا بھرپور اظہار کرتا ہے۔ ہر وقت سنجیدگی اور متانت کا لبادہ نہیں اوڑھتا، ورنہ زندگی دو بھر ہو جائے گی۔

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ اس کردار میں صبر و ضبط اور زندگی کی تلخیوں کو بھول جانے کی اہلیت ہے، اس لیے جب صفدر سعید، پٹیر وڈ کی موت پر رنجیدہ ہوتا ہے اور عمران بہلاتا ہے تو وہ اس سے کہہ اُٹھتا ہے۔

''عمران صاحب میں آپ تک نہیں پہنچ سکتا۔'' (آتشی بادل)

تھریسیا، صرف ایک بار تھریسین سننے کے لیے بے تاب ہے۔ روشی اس کے لیے بے چین ہے۔ جولیا کبھی ناراض ہو جاتی ہے فیاض کبھی جھنجلا اُٹھتا ہے اور کبھی اُس کے گھر کے چکر لگاتا ہے۔ جوزف اس کے سامنے موت کے کنوئیں میں چھلانگ لگا سکتا ہے۔ سلیمان اس کے لیے اپنے بڑے صاحب (رحمٰن صاحب) کو چھوڑ سکتا ہے۔ سیکرٹ سروس کی ساری ٹیم بحیثیت عمران اس کو چٹکی میں اُڑا دیتے ہیں لیکن بحیثیت ایکس ٹو اس کی آواز سن کر کانپ اُٹھتے ہیں۔

غرض ہم دیکھتے ہیں کہ اس بھرپور اور جامع کردار کے ذریعے ابنِ صفی نے سارے پر پیچ سماج اور غیر متوازن معاشرے کا احاطہ کیا ہے اور اس طرح ہم عمران کو اپنے عہد کا نمائندہ کردار کہہ سکتے ہیں۔ وہ کردار جس میں موجودہ زمانے کا سارا کرب اور الم سمٹ آیا ہے، جس سے باپ، بہن بھی خفا ہیں اور گھر بدر کیا گیا ہے۔ ماں کا پیار جس کے لیے بچپن کا سپنا ہو گیا ہے، اس کے باوجود سب کو پیار بانٹتا ہے۔

عمران دوسرے کرداروں کا محور و مرکز ہے اور دوسرے کردار اس سے اثر پذیر ہوتے رہتے ہیں، اسی کے دم سے ابنِ صفی کی تخلیق کائنات میں رنگ ہے۔

عمران کا کردار اتنا معصوم، پرلطف، بے ضرر اور جاذب النظر ہے کہ صرف اس کے ساتھی اور ہمنوا ہی نہیں، مخالف کردار بھی اس کی پھرتی، چالاکی و ذہانت کے قائل نظر آتے ہیں۔

بہ ترمیم عبدالرحمٰن بجنوری۔

''کیا ہے، جو یہاں نہیں ہے۔ زندگی کا کون سا نغمہ ہے، جو اس ساز (عمران) پر گایا نہیں گیا؟''

(بہ شکریہ، سالار ویکلی بنگلور)

دنیائے ڈائجسٹ کے نام ور لکھاری محترم ''زرین قمر'' نے اپنی طرز میں محترم ''ابنِ صفیؔ'' کے بارے میں اظہار خیال کرتے ہوئے۔ چند خاص الخاص لوگوں کی رائے قلم بند کی ہیں۔ پیش خدمت ہے۔

میرا خیال ہے کہ اگر میں یہ کہوں تو بے جا نہ ہوگا کہ برصغیر پاک و ہند میں ابنِ صفی وہ پہلے شخص ہیں جنہوں نے سری ادب کی داغ بیل ڈالی۔ ان سے قبل تیرتھ رام فیروز پوری اور ظفر عمر نے بھی اس موضوع پر خاصا کام کیا تھا لیکن وہ صرف تراجم تک ہی محدود رہے۔ جب کہ ابنِ صفی نے سری ادب کو جو جلا بخشی اور ترقی دی۔ وہ کسی سے ڈھکی چھپی بات نہیں انہوں نے سری ادب کو ایک چیلنج کے طور پر اپنایا اور یہ ثابت کر دیا کہ ایشیا کے ادیب بھی کسی طرح یورپ کے ادیبوں سے پیچھے نہیں۔ انہوں نے سری ادب کو جنس سے پاک کرنے کے ساتھ ساتھ اس میں مقصدیت اور مزاح پیدا کیا۔ یہ وہ کارنامہ ہے جو آج تک کوئی بھی ادیب انجام نہ دے سکا۔ وہ دُنیا کے واحد ادیب ہیں جن کے کرداروں پر بیسیوں لوگوں نے لکھنے کی کوشش کی اور آج تک کر رہے ہیں لیکن کوئی بھی شخص ان کے اسلوب کی گرد کو بھی نہ پا سکا۔ ان کے ہر ناول میں ایک نیا آئیڈیا اور ایک نیا انداز ہوتا تھا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ انہیں برصغیر میں سب سے زیادہ پڑھا گیا اور اب بھی پڑھایا جاتا ہے۔ وہ نہ صرف اچھے ادیب تھے بلکہ بہت خوب صورت شاعر بھی تھے۔ گو انہوں نے کبھی اپنا مجموعۂ کلام نہیں چھاپا لیکن ان کی خوب صورت غزلیں اور نظمیں مختلف رسائل کے صفحات کی زینت بنتی رہی ہیں۔ شاعری میں بھی ان کا انداز انتہائی سادہ اور سلیس تھا لیکن ان کی وجۂ شہرت بحیثیت شاعر کے نہیں بلکہ جاسوسی ناول نگار کے ہوئی۔

میں نے بھی آج اُن کی برسی کے موقع پر اسی حوالے سے زندگی کے مختلف طبقوں سے تعلق رکھنے والے افراد کی آراء معلوم کرنے کی کوشش کی ہے۔ ان میں نہ صرف عام قاری بھی ہیں بلکہ اعلیٰ عہدوں پر فائز افراد اور شاعر وادیب بھی شامل ہیں۔

اس سلسلے میں میری ملاقات سب سے پہلے اختر لکھنوی صاحب سے ہوئی جو خود بھی اچھے شاعر ہیں اور ریڈیو پاکستان کراچی میں ''نیشنل بک اپ'' پروگرام کی کورنگ بھی کرتے ہیں۔

انہوں نے اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

''ابنِ صفی مرحوم کا شمار ان ادیبوں میں ہوتا ہے جو اپنی تحریروں کے حوالے سے ہمیشہ زندہ رہتے ہیں۔ ان کا اندازِ تحریر بالکل نیا، منفرد اور دلکش تھا۔ برصغیر میں جو مقبولیت انہیں حاصل ہوئی، وہ اپنی مثال آپ ہے۔ میں نے انہیں بہت پڑھا ہے۔ مجھے ان کے ناولوں کی منظر نگاری بہت پسند تھی کہ کم الفاظ میں کسی بھی منظر کا نقشہ بڑی چابکدستی سے کھینچ دیتے تھے۔ پھر انہوں نے اپنی اس بات کے ثبوت کے طور پر ابنِ صفی کے ایک ناول ''خیر اندیش'' کا ایک حصہ بھی سنایا۔ یہ ناول عمران سیریز سے تعلق رکھتا تھا۔

''جھیل کیا تھی ایک چھوٹا سا سمندر تھا جس کے مغربی کنارے سے مشرقی کنارے تک نظروں کی رسائی ممکن نہیں تھی، بس پانی ہی پانی تھا اور اُفق میں دھواں دھواں سے پہاڑوں کے آثار نظر آتے تھے۔ جھیل کے مغربی کنارے پر دور تک سرسبز و شاداب پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں اور یہ پہاڑیاں ویران نہ تھیں۔ تھوڑے تھوڑے فاصلے پر بستیاں نظر آتی تھیں جن کے مکینوں کی بسر اوقات کا ذریعہ انگوروں کی کاشت تھی۔ آس پاس کے شہروں کے لوگ ان اطراف میں چھٹیاں گزارنے کے لیے بھی آتے تھے اور ان چھوٹی چھوٹی بستیوں کی رونق کبھی ختم نہ ہوتی۔''

جب اختر لکھنوی اس پیراگراف کو پڑھ کر فارغ ہوئے تو میں نے ان سے ایک اور سوال کر دیا۔

''اختر صاحب! کیا ابنِ صفی سے کبھی ملنے کا اتفاق ہوا یا انہوں نے کبھی ریڈیو کے لیے کچھ لکھا؟''

''جی ہاں!'' انہوں نے مسکراتے ہوئے کہا۔ ''انہوں نے ریڈیو کے لیے ایک ڈراما لکھا

تھا۔ یہ ڈراما بھی ان کے ناولوں کی طرح جاسوسی تھا اور اس ڈرامے کو ریڈیو پاکستان ڈھاکہ سے پیش کرنے کا اعزاز مجھے حاصل ہوا، ایک طرف یہ ڈراما ابنِ صفی مرحوم کا ریڈیو کے لیے پہلا ڈراما تھا تو دوسری طرف یہ ڈراما اس اعتبار سے بھی ریڈیائی ڈراموں میں اولیت کا حامل تھا کہ اس کی تمام تر ریکارڈنگ اسٹوڈیوز سے باہر ہوئی تھی اور کرداروں نے پارکوں، فٹ پاتھوں، کاروں کے اندر اور اسی طرح کے دیگر مقامات پر جا کر آؤٹ ڈور ریکارڈنگ کرائی تھی حتیٰ کہ اناؤنسمنٹ بھی باہر ہی ریکارڈ ہوا تھا۔ یہ ایک تجربہ تھا جو بہت کامیاب قرار پایا تھا۔"

جناب اختر لکھنوی صاحب کی بات مکمل ہوئی تو میں ان کا شکریہ ادا کر کے اُٹھ آئی۔ میری دوسری ملاقات جناب بلند اقبال صاحب سے ہوئی جو پاکستانی فلمی صنعت کے مایۂ ناز موسیقار ہیں اور استاد امراؤ بندو خان صاحب کے بھانجے ہیں۔ انہوں نے اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا۔

میں نے 1945ء سے 1950ء تک تیرتھ رام فیروز پوری کو پڑھا جن کے ترجے انتہائی عمدہ ہوتے تھے اور اس کے بعد جب الٰہ آباد سے جاسوسی دنیا جاری ہوا تو اسے پڑھنا شروع کیا اور پھر یہ شوق بڑھتا ہی گیا۔ اس کا اندازہ آپ اس طرح لگائیں کہ آج بھی تقریباً میرے پاس دو سو کتابیں محفوظ ہیں۔ اس کے علاوہ اور بہت سے لوگ اس میدان میں آئے لیکن جاسوسی ادب میں (مرحوم) ابنِ صفی جیسا مقام نہ پا سکے۔ میرا زندگی میں ان سے ایک رابطہ فلم "دھماکہ" کے سلسلے میں ہوا تو اندازہ ہوا کہ وہ بحیثیت انسان بھی بہت بڑے آدمی تھے۔ میں نے اور لال محمد صاحب نے فلم "دھماکہ" کے گانوں کی موسیقی مرتب کی تھی۔ اس سلسلے میں ابنِ صفی صاحب سے بھی ملاقات رہی۔ وہ بہت زندہ دل شخص تھے اور بڑی شُستہ گفتگو کرتے تھے۔"

لال محمد صاحب نے بھی اپنے ساتھی جناب بلند اقبال کے خیالات کی تائید کی۔ اس کے علاوہ انہوں نے بتایا کہ انہوں نے ابنِ صفی کے بہت سے جاسوسی ناول پڑھے ہیں اور وہ عمران کے کردار کو بہت پسند کرتے ہیں۔ نوجوانی کے دور میں وہ صرف عمران کے کردار کی وجہ سے دیوانگی کی حد تک جاسوسی ناولوں سے دلچسپی رکھتے تھے اور جب تک کتاب ختم نہیں ہو جاتی تھی ہاتھ سے نہیں رکھتے تھے پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ ابنِ صفی سے بالمشافہ مل لیے اور "دھماکہ" کے سلسلے میں اُن سے کئی ملاقاتیں ہوئیں اور وہ حیران رہ گئے کہ اتنے مشکل کردار لکھنے

والا شخص کتنا سادہ مزاج ہے۔"

مسعود احمد ریڈیو پر پلے بیک سنگر ہیں اور ایک مقامی فرم میں کام بھی کرتے ہیں۔ انہوں نے ابنِ صفی کے تقریباً تمام ناول پڑھے ہیں اور یہ ان شوقین لوگوں میں سے ہیں جو ہر ماہ مقررہ تاریخ پر ریگل کے بک اسٹال پر لائن لگا کر ان کا ناول خرید کر لاتے تھے اور اسی رات ختم کر دیتے تھے۔ انہوں نے کہا۔

"اگر میں یہ کہوں کہ ابنِ صفی کے بعد سری ادب ختم ہو گیا تو یہ بے جا نہ ہوگا۔ کیونکہ یہی وہ نصف صدی ہے جس میں مرحوم ابنِ صفی نے سری ادب کو کمال عروج پر پہنچایا اور اسی نصف صدی میں مرحوم نے جب اس دارفانی سے کوچ کیا تو سری ادب کے لیے ایسا خلاء پیدا ہو گیا کہ جس کا پُر ہونا مشکل نظر آ رہا ہے۔ میں تو اکثر سوچتا ہوں کہ "نئے اُفق" اور "نیا رُخ" اگر مرحوم کے ناولوں کو ہر ماہ شائع نہ کرتے تو کیا ہوتا میری اس بات سے سری ادب کا ہر قاری اتفاق کرے گا کہ مرحوم ابنِ صفی کے ہر ناول کو چاہے جتنی بار بھی پڑھیں ہر بار نیا لطف آتا ہے۔ زبان و بیان پر مکمل عبور رکھنے کے ساتھ ساتھ مرحوم نے کبھی اپنے کسی کردار کو عامیانہ پن اور لچر پن کا شکار نہ ہونے دیا۔ آپ عمران کے کردار کو لے لیں جہاں وہ ایک ہنس مکھ اور کھلنڈرا عمران ہے۔ وہ بڑا شُستہ مذاق کرتا ہے۔ پڑھنے والا بے ساختہ مسکرا اُٹھتا ہے اور دوسرے کرداروں کے ساتھ عمران کی نوک جھونک بعض اوقات بہت لطف دیتی ہے اور پڑھنے والا اس بحث میں ایسا الجھ جاتا ہے کہ اپنے آس پاس کا ہوش نہیں رہتا اور وہ ان کرداروں کی نوک جھونک سے پوری طرح لطف اندوز ہوتا ہے۔ مثال کے طور پر "ہلاکو اینڈ کو" کے اس پیرے کو لیں۔

آج سلیمان نے مونگ کی کھچڑی پکائی تھی۔ جوزف کھانے بیٹھا تو آپے سے باہر ہو گیا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے سلیمان کو پھاڑ کھائے گا۔

"کیوں کیا ہو گیا......؟" سلیمان نے پوچھا۔

"نہیں کھائے گا۔" جوزف میز پر ہاتھ مار کر بولا...... "مونگ کا ڈال۔"

"ابے زبان سنبھال...... صاحب کی نقل کرے گا۔"

"سالا اس سے ہمارا پیٹ پھول جاتا ہے۔"

''پہلے کیوں نہیں پھولتا تھا؟''

''ہم نیں جانتا۔''

''بینگن کا بھرتا کھائے گا؟''

''یہ کیا ہوتا؟''

''تمہارا شکل کا ہوتا۔''

''کھانا ڈے..... اُلو کا پٹھا۔'' جوزف جھلا کر چیخا۔ عمران خواب گاہ میں تھا۔ جوزف کی آواز پر باہر نکل آیا۔

''اتنا سناٹا کیوں ہے؟'' اس نے دونوں سے پوچھا جو ایک دوسرے کو پھاڑ کھانے والے انداز میں گھورے جا رہے تھے۔

''جی ہاں مسعود صاحب!'' میں نے ہنستے ہوئے کہا۔ ابن صفی کے ناول کے اس پیراگراف سے میں بھی محظوظ ہوئی تھی۔''

''آپ کا کہنا درست ہے ابنِ صفی روتوں کو ہنسانے کی صلاحیت بھی رکھتے تھے۔ جاسوسی ناول جہاں نہایت خشک موضوع سمجھے جاتے تھے۔ وہاں ابنِ صفی کے ناول بہت دلچسپ ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ جگہ جگہ ان میں مزاح کی چاشنی ڈالتے جاتے تھے۔

غنچہ جعفری صاحبہ، کراچی سے شائع ہونے والے ایک ادبی ڈائجسٹ کی نائب مدیرہ ہیں۔ انہوں نے ابنِ صفی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا۔

''ابنِ صفی مرحوم کو بحیثیت ناول نگار تو بہت لوگ جانتے ہیں لیکن وہ ایک بہت اچھے شاعر بھی تھے یہ بات بھی اکثر لوگ جانتے ہوں گے لیکن شاید آپ کے اس سروے میں کم ہی لوگوں نے ان کی شاعری پر بات کی ہوگی۔ میں نے ابنِ صفی کے جاسوسی ناول بہت پڑھے ہیں اور انہیں پسند بھی کیا ہے لیکن بحیثیت شاعر بھی وہ بہت کامیاب رہے ہیں۔ ان کی غزل میں زبان وبیان کی بہت سی خوبیاں ملتی ہیں۔ ان کے نکھرے ہوئے ذوق، ان کی سیرت کی پاکیزگی ان کی شخصیت کے ظاہری خدوخال کی تمام جھلکیاں اس میں موجود ہیں۔ انکی کہنہ مشقی، پختہ ذوقی اور فکروشعور کے تمام مہذب ومتوازن پہلو اس کے آئینے میں دیکھے جاسکتے ہیں اور اس میں وہ خاص عنصر بھی موجود ہے جس سے غزل کے مخصوص مزاج کی تعمیر ہوتی ہے۔ میری مراد اس

کیفیاتی عنصر سے ہے۔جس کی ایک خفیف سی لرزش یک بارگی دلوں کی دنیا کوزیروزبر کرکے رکھ دیتی ہے۔ان کی غزل کا مطالعہ کرتے وقت بار بار یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کا داخلی تاثر دل کے کسی نہ کسی گوشے سے لپٹی ہوئی برقِ تہ داماں سے کسبِ ضیاء کرتا ہوا بجائے خود شعلۂ جوالا بن گیا ہے۔ مثلاً:

یوں بہار و خزاں کے چکر میں
کٹ ہی جائے گی زندگی یارو
وہ جو خود کو خدا سمجھتے تھے
یاد ہے ان کی بے بسی یارو
شام ہوتے ہی دل بھی ڈوب چلا
کھڑکیاں کھول دو سبھی یارو

یا

وقت کی دھوپ سے گو جسم جلا جاتا ہے
جسم کے کرب ہی سے ذہن جلا پاتا ہے
کبھی ٹیسیں، کبھی تپکن کبھی بے نام خلش
ضبط کا درد سے ہر روز نیا ناتا ہے

شمیم الحق صاحب کا اپنا ذاتی بزنس ہے اور اس بزنس کا تعلق بھی کتابوں کی دنیا سے ہے۔اس وجہ سے بھی اور ذاتی دلچسپی کی وجہ سے بھی انہیں ابنِ صفی کو پڑھنے کا خوب موقع ملا۔

''جاسوسی ادب میں جناب ابنِ صفی مرحوم کسی تعارف کے محتاج نہیں۔ ان کا شمار سری ادب میں سرفہرست ہے اور اس میدان میں ان کا کوئی مدمقابل نہیں تھا نہ ہے اور نہ ہوگا۔اسی طرح انہوں نے اپنے ناولوں میں جو نام اور جو کردار متعارف کرائے۔

ان کی مثال ملنا مشکل ہے۔یوں تو محترم ابنِ صفی کے تمام کردار اپنی جگہ ایک منفرد حیثیت کے حامل ہیں مگر ان تمام کرداروں کے باوجود جناب ابنِ صفی کا ایک کردار ایسا بھی ہے جو ان تمام کرداروں پر نہ صرف بھاری ہے بلکہ جناب ابنِ صفی کی شہرت کو بھی اس نے ہی پروان چڑھایا ہے اور وہ کردار ہے علی عمران کا جو کہ آگے چل کر عمران سیریز کے نام سے مشہور ہوا اور نہ

صرف مشہور ہوا بلکہ جاسوسی دنیا میں دھوم مچادی اور جاسوسی ادب پڑھنے والوں کے دل موہ لیے اور لوگ کہنے پر مجبور ہوگئے کہ واقعی عمران کا کردار ایک لازوال کردار ہے۔ میں بذاتِ خود عمران سیریز کو گزشتہ پندرہ سال سے پڑھ رہا ہوں اور اب بھی جناب ابنِ صفی مرحوم کی وفات کے بعد اور دوسرے مصنفوں نے بھی عمران کے کردار کو کافی حد تک اس انداز میں لکھنے کی کوشش کی جو کہ جناب ابنِ صفی کی زندگی میں بھی جاری تھے اور آج بھی ہے جب کہ وہ اس دنیا میں نہیں رہے تو کچھ اور ہی زور و شور سے جاری ہے مگر اندازِ تحریر وہ نہیں جو ایک بھرپور ادیب کا انداز ہوتا ہے کیونکہ کچھ لوگوں نے تو عمران کو ایک مافوق الفطرت ہستی بنادیا ہے جو کہ ہر محاذ پر دشمن سے ڈٹ کر مقابلہ کرتا ہے اور اپنی ٹیم کو فتح سے ہمکنار کرتا ہے۔ بہر حال ان تمام باتوں کے باوجود عمران کے کردار کے بارے میں میری رائے یہ ہے کہ عمران کا کھلنڈراپن اور احمقانہ پن ہی اس کی کامیابی کی دلیل ہے اور جو کہ اسے جاسوسی ادب میں تمام کرداروں میں نمایاں کرتی ہے۔ اس کی سنجیدگی بھی اتنی پر اثر ہوتی ہے کہ اس کے ساتھی بھی سوچنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ کیا یہ وہی احمق عمران ہے۔ اسی طرح اس کی درندگی بھی بعض اوقات رونگٹے کھڑے کر دیتی ہے۔ اس کی مکاری کے آگے سنگ ہی اور تھریسیا جیسی طاقت گھٹنے ٹیک دیتی ہے۔ غرض یہ کہ بحیثیت ایک ایجنٹ کے عمران میں وہ تمام خوبیاں پائی جاتی ہیں جو کسی سیکرٹ ایجنٹ میں ہونی چاہئیں۔ اسی وجہ سے مجھے ابنِ صفی مرحوم کے کرداروں میں عمران کا کردار بہت پسند ہے جو کہ جناب ابنِ صفی مرحوم کا ایک اچھوتا کردار ہے اور کرنل فریدی اور کیپٹن حمید، ایسے کرداروں پر بھاری ہے۔ جناب ابنِ صفی مرحوم نے ابتدا ''خوفناک عمارت'' میں عمران کے کردار سے کی اور اپنی زندگی کے آخری ایام میں انتہا بھی عمران پر کی۔ جو کہ اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ انہیں عمران کے کردار سے کتنی محبت اور اُنسیت تھی۔ میں کم از کم ان کے کردار کو مسخ ہوتے نہیں دیکھ سکتا۔ چنانچہ اس ذریعے سے اُن لکھنے والوں سے گزارش کرتا ہوں کہ براہِ مہربانی عمران سیریز لکھیں۔ اگر ابن صفی مرحوم جیسا نہیں لکھ سکتے تو کم از کم اپنی تحریر کو ذرا تبدیل کریں تا کہ یہ کردار زندہ رہے۔

ابنِ سلطان، کراچی سے لکھتے ہیں:

ایک عہد آفریں انشاء پرداز۔

جس سے جگرِ لالہ میں ٹھنڈک ہو وہ شبنم
دریاؤں کے دل جس سے دہل جائیں وہ طوفاں

ادب زندگی کا ترجمان بھی ہے تفسیر بھی۔ زندگی کی طرح ادب کا مقصد بھی صحت اور تنوع کے لحاظ سے لاتمناہی ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ بغیر کسی مقصد کے کسی بھی زمانہ میں کوئی ادب پیدا نہیں ہوا۔ یعنی ادبی شہ پارہ کی تخلیق میں کوئی مقصد ضرور کارفرما ہوتا ہے۔ کبھی وہ مقصد شعوری ہوتا ہے اور کبھی لاشعوری۔ مقصد میں جب تک تخلیقی صلاحیت کا اضافہ نہیں ہوگا، اُس وقت تک صحیح معنوں میں ادب وجود میں نہیں آئے گا۔ ادب انسان کے تمام مادی اور غیر مادی اثرات کا نتیجہ ہے اور اُن کی تمام عملی و فکری حرکات کا ماحصل ہے۔ ادب خارجی اسباب وحالات سے علیحدہ نہیں ہے۔ یعنی ادب میں لازمی طور پر ایک مقصد ہوتا ہے اور وہ ادب کی اندرونی ترکیب میں مزاج کے طور پر داخل ہوتا ہے......

اس نکتۂ نگاہ سے جاسوسی ادب بھی مقصدیت سے خالی نہیں ہے۔ اس میں تنوع بھی ہے گہرائی بھی حقیقت بھی ہے سچائی بھی، سبق بھی ہے۔ رہنمائی بھی۔ یہ تعمیری بھی ہے اصلاحی بھی۔ اُردو میں باقاعدہ جاسوسی ناولوں کی ابتداء، فیروز دین مراد سے ہوئی۔ آج لوگ اُن کے نام اور تحریروں کو بھول چکے ہیں۔ اسی طرح ظفر عمر کی خدمات کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔ یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اُردو کو انہی دونوں نے جاسوسی افسانہ نگاری سے آشنا کیا اور اسے الگ صنف بنا کر پیش کیا۔

فیروز دین مراد اور ظفر عمر کے بعد جاسوسی ادب میں ابنِ صفی نے اپنی جدتِ طبع سے نئی راہیں پیدا کی ہیں۔ ابنِ صفی کی ادبی تخلیق، ذہنی مائیگی و فکری بالیدگی، فہم وفراست و باریک بینی، تاریخ دانی و حقیقت بیانی اور قلمی روانی و معلوماتی فراوانی اس قدر وسعت کی حامل ہے کہ اُن کی بزرگی و برتری اور ادراک کی فوقیت کا قائل ہونا ہی پڑتا ہے۔ انہوں نے اپنے قلم بلاغت رقم کے ذریعے جاسوسی ادب اور اُردو زبان کی گراں قدر خدمت سرانجام دی ہے۔ اس میں بے شمار نئے شجر اور نئی پھلواریاں لگا کر اپنے لہو سے اُن کی آبیاری کر کے آشیانِ ادب کے رنگ و بو کو مہکا کر اسے ایک فرحت بخش گلستان بنا دیا ہے۔ ان کی قلمی کاوشوں نے جاسوسی ادب میں جو گراں قدر اضافہ کیا ہے اس سے صرف کوئی کور بیں حاسد ہی منحرف ہوسکتا ہے۔

قدرت نے ابنِ صفی کے قلم کو ایک منفرد جولانی اور دل نشین روانی بخشی ہے۔ اُن کی تحریریں سلاست اور لطافت کا نمونہ ہیں۔ جن میں شہد کی سی شیرینی بھی ہے اور دوا کی سی تلخی بھی۔ ان کی تخلیقات میں تیر و نشتر بھی ہیں اور بے حد نازک و نفیس جذبات کی ترجمانی بھی جو اکثر ادیبوں اور اہلِ قلم کی تحریروں میں بہت کم نظر آتی ہے۔

وقائع نگاری، انشاء پردازی، بے باکی، بے ریائی، شستگی، شگفتگی، شائستگی اور بے ساختگی ابنِ صفی کی تحریروں کے امتیازی پہلو ہیں۔ زندگی کے ہر زاویہ، ہر پہلو، ہر گوشہ اور ہر موڑ سے آشنائی مختلف کہانیوں کے لئے موضوعات کے انتخاب میں اُن کی رہنمائی کا سبب بنی ہے۔ اعلیٰ ادبی علم کے ساتھ ساتھ طلسم ہوشربا کے مطالعہ نے ان کے ذہن کو وسعت اور قلم کو نیا ولولہ، نیا جذبہ، نیا ایثار، نئی ساخت اور نئی جلا بخشی۔

ابنِ صفی کا شمار اُردو کے بڑے نثر نگاروں میں ہوتا ہے۔ انہوں نے بے شمار طنزیہ و مزاحیہ مضامین لکھے۔ اُن کی تصنیف شدہ کتب کی تعداد تین سو کے قریب ہے۔ جو جاسوسی ادب کا گراں قدر سرمایہ ہے۔ وہ ایک بے مثال ادیب خوبصورت افسانہ نویس، بلند پایہ ناول نگار اور نازک خیال شاعر تھے۔ اُن کی تحریر سلیس اور سادہ ہوتی ہے وہ مشکل سے مشکل خیال اور دقیق سے دقیق بات کو بھی سادہ پیرائے میں بیان کر دیتے ہیں۔ ایک خاص چیز اُن کے اسلوب میں یہ ہے کہ وہ اکثر چھوٹے فقروں میں بعض ایسے اشارے کر جاتے ہیں کہ ان باتوں کے بیان کے لیے ایک کتاب یا مضمون کی ضرورت ہوتی ہے۔

ابنِ صفی تصنع یا نمائش کے قائل نہ تھے۔ وہ اپنی تحریر کے ذریعے زندگی کے حقائق کو پیش کرتے تھے۔ ان کی تحریروں میں کہیں کہیں تشبیہات اور استعارات کا استعمال بھی ملتا ہے جو نہایت موزوں اور مناسب ہوتے ہیں۔ ان سے بات کی توضیح میں بہت مدد ملتی ہے۔ ان کے یہاں طنز و مزاح کا ایک سلسلہ قائم رہتا ہے اور قاری بے اختیار قہقہے لگاتا ہے۔ ابن صفی کے مزاح میں عالمانہ شان اور شوخی ملتی ہے۔ فقرے زیادہ طویل نہیں ہوتے۔ وہ بے جا طور پر محاوروں کے استعمال کے شوقین نہیں۔ نہ ہی عربی و فارسی کے نامانوس الفاظ استعمال کر کے اپنا سکہ بٹھانا چاہتے ہیں۔

ابنِ صفی نے جس رفتار و مقدار میں لکھا ہے اتنی متعدد تخلیقات میں معیاری حسن اور داستان

گوئی کے پیچ وخم اور زیر و بم برقرار رکھنا ابنِ صفی کا کمال اور انفرادیت ہے۔ ابنِ صفی کی تصانیف کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات خصوصیت سے کہی جاسکتی ہے کہ ان کے سامنے محض داخلی اور خارجی دنیا کے تقاضے ہی ہوتے اور وہ اپنے تخلیقی عمل سے ان دونوں دنیاؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے تیسری دُنیا کے انکشافات سے غافل رہتے تو انہیں انتقادی نظر سے یہ مقام عظمیٰ حاصل نہ ہوتا۔ وہ بخوبی آگاہ تھے کہ فنکارانہ اخلاقی تقاضے جہانِ نو کے تجسس اور انکشاف کے بغیر پورے نہیں ہوسکتے۔ اس لیے انہوں نے یہ ثابت کیا کہ ایک فنکار میں یہی بیداری کا عنصر ہوتا ہے کہ وہ اپنی ذات اور کائنات کے مسائل کی گہرائیوں میں اُتر کر ایسا فن پارہ پیش کرے، جو اس کے ذوقِ تجسس، فکری بالیدگی اور انتقادِ حیات کی تابندہ علامت ہو۔ انہوں نے اجتماعی مسائل اور درپیش حقائق کو اپنی فکری گرفت میں لے کر جو لفظ بھی ادا کیا۔ اس میں نقد ونظر کے حوالے سے کئی معنوی احساسات در آئے ہیں۔ ابنِ صفی کا تنقیدی شعور تفسیر وتعبیر حیات کے حوالے سے اس لیے منفرد ہے کہ اس میں تاثیر بے کراں اور جامعیت ہے۔ ایک ایسی جامعیت جو بہت کم نثر نگاروں میں پائی جاتی ہے۔

ابنِ صفی نے زندگی کے ہر شعبے کو گرفت میں لیا۔ سماجی اور طبقاتی کشمکش اور تہذیب کی شکست وریخت کا تجزیہ کرتے ہوئے انہوں نے اپنی اعلیٰ تنقیدی صلاحیتوں سے کام لیا۔ ان کی فکر کا ایک ناقابلِ تردید وصف یہ ہے کہ ارضیت اور ارضی مسائل کے ہیولے سے شبستان نقد ونظر کو تعمیر کیا۔ اُن کا محاکماتی تجزیہ صرف جمالیاتی عناصر تک ہی محدود نہیں بلکہ ان کا تخلیقی وجدان تحلیل نفسی کے ساتھ ساتھ منطقیانہ استدلال کی روشنی میں مسائل کی تفہیم کی طرف ایسی سمت راہ نمائی کرتا ہے...... کہ تاریخی، سماجی اور سیاسی تناظر میں ایک طویل عہد عکس ریز ہے۔

ابنِ صفی کے جاسوسی ادب نے ان لوگوں کو پڑھنا سکھا دیا جو کتابوں سے دور بھاگتے تھے۔ ابنِ صفی کو ادب کے اعلیٰ حلقے قبول کریں یا نہ کریں مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ وہ ایک ایسے ادیب ہیں، جسے سب پڑھتے اور پسند کرتے ہیں۔ ابنِ صفی کے حلقۂ قارئین میں پروفیسر مجنوں گورکھپوری جیسے نقاد پروفیسر سید ابوالخیر کشفی اور سرشار صدیقی جیسے علمی وادبی ذوق رکھنے والے بلند مرتبت لوگ بھی شامل ہیں۔ جو اُن کے مقبول اور عظیم ہونے کی دلیل ہے۔ عنقریب وہ دن ضرور آئے گا کہ جاسوسی ادب کے بارے میں چوٹی کے نقادوں کی الرجی

ختم ہو جائے گی اور اس صنفِ افسانہ کو بھی درخوراعتنا...... قرار دے کر ابنِ صفی کو وہ مقام دیں گے جس کے وہ مستحق ہیں۔ یہ بات اپنی جگہ واضح اور ٹھوس حقیقت ہے کہ اگر کوئی شاعر، نقاد، کالم نویس یا آرٹسٹ اس دارِ فانی سے رُخصت ہو جائے تو اُس کی جگہ کبھی نہ کبھی کوئی پُر کر دیتا ہے لیکن ابنِ صفی کے ملک عدم کوچ کر جانے کے بعد جاسوسی ادب میں جو خلا پیدا ہوا ہے شاید کبھی نہ پُر ہو سکے۔

ابنِ صفی کے اخلاقی فضائل اور انسان دوستی پر روشنی نہ ڈالی جائے تو تشنگی باقی رہ جائے گی۔ انہوں نے اپنی تحریروں میں جہاں قانون کی بالادستی کا تصور پیش کیا ہے وہیں انسان دوستی اور انسانیت کا پیغام دیا۔ فی الواقع ان کی ذات رنجشِ بیجا کی آلودگیوں سے پاک تھی۔ انہوں نے ساری عمر کسی کا دل نہ دکھایا۔ دوستوں کی دل جوئی اور دلداری اُن کا ہمیشہ شعار رہا۔ انہیں ذاتی ستائش پسند نہ تھی۔ ابنِ صفی کے اخلاق فضائل کا صحیح اندازہ ان کے حسن سلوک، مروت، تواضع اور رواداری سے ہوتا ہے۔ وہ بلا امتیاز رنگ و نسل ہر شخص کے ساتھ خوش خلقی اور مہربانی سے پیش آتے تھے۔ کسی شخص کی دل آزاری اُن کے نزدیک سب سے بڑا جرم تھا۔ یہی وجہ ہے انہوں نے سینکڑوں جعلی صفیوں اور نقالوں کو اپنی حیات ہی میں معاف کر دیا تھا۔

ابن صفی کے جمالیاتی تصورات کی ایک نمایاں خصوصیت اُن کی گہری انسان دوستی ہے۔ ان کے نزدیک ہر انسان کے دل میں دوسرے انسان کے لئے محبت اور خیر اندیشی کا جذبہ ہونا چاہیے، ہر شخص کو صلح و آشتی کے ساتھ ماحول کو پُرسکون بنانے کی کوشش کرنی چاہیے۔ ریاکارانہ اطوار و گفتار کی طرف ان کی طبیعت مائل نہ ہوتی تھی۔ ان کا ظاہر و باطن یکساں تھا۔ وہ تصنع کے قائل نہ تھے۔ غرور اور تکبر کبھی ان کے پاس سے نہ گزرا تھا۔ ان کا قول تھا کہ ہر شخص انفرادی طور پر اپنے اعمال و اخلاق کی درستگی کا اہتمام کر لے۔ اجتماعی برائیاں رفتہ رفتہ خود بخود ختم ہو جائیں گی اور ایک مثالی معاشرہ وجود میں آ جائے گا۔ چونکہ مضمونِ بالا میں ابنِ صفی کی نثر نگاری و انشاء پردازی سے متعلق ہی عرض کرنا تھا۔ اس لیے مندرجہ بالا چند سطور پر اکتفا کیا گیا ہے۔ ورنہ اُن کی شاعری پر بھی بہت کچھ حوالۂ رقم کیا جا سکتا ہے۔

”رفعت فیض“، کراچی سے کہتی ہیں:

قدرت نے ایک بے قرار روح کو پیغمبروں کا سا دل، فلسفی کا سا دماغ اور شاعرانہ تخلیل

عطا کر کے جس پیکر خاکی میں جلوہ گر کیا ہم اُسے "ابنِ صفی" کے نام سے جانتے ہیں۔ یہ نام ہمارے جاسوسی ادب کی آبرو ہے اور ادب کے شائقین کو یہ نام بہت عزیز ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جو مقبولیت ابنِ صفی کے حصے میں آئی وہ کسی اور مصنف کا مقدر نہ بن سکی اور اُن کی مقبولیت میں دن بہ دن اضافہ ہی ہوتا گیا اور اُن کی شہرت کا آفتاب آخری وقت تک چمکتا رہا۔ "ہر کمال لازوال" والی مثل اُن پر صادق نہیں آتی کیونکہ ابنِ صفی ایک حقیقت نگار ہیں، ایک فطرت پرست ہیں۔ وہ ایک دور کے ترجمان ہیں۔

ابنِ صفی شریف الطبع، صُلح پسند، ہمدرد با اخلاق اور منکسر المزاج تھے اور ان کے مزاج واخلاق کے یہ خصائص ان کے اسلوب بیاں میں بھی نمایاں ہیں۔ ان کا اسلوب بیاں اس درجہ رواں اور موضوع سے دلچسپی پیدا کرنے والا ہوتا ہے کہ پڑھنے والا یہ کہنے پر مجبور ہو جاتا ہے کہ

"بے شک ابنِ صفی جاسوسی ادب کے ناخدا ہیں۔"

ابنِ صفی نے زندگی کے تقاضوں کو بہادر اور باشعور انسان کی طرح پورا کیا اور ادب کے مطالبے، ادیب بن کر پورے کیے۔ اُن کا مطالعہ بے حد وسیع تھا۔ ان کا کلام اور ادبی کام دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ فن انتخاب میں انہیں مہارت حاصل تھی۔ ان کی تحریریں زندگی کی عکاس ہیں۔ ان کی تحریر میں مقصدیت تھی۔ انہوں نے ایسے وقت میں لکھنا شروع کیا جب اُردو ادب میں اخلاق سے گری ہوئی باتیں اپنے عہد کو اخلاق باختہ کر رہی تھیں اور ہمارے ادیب چند سکوں کی خاطر پوری نسل کو تباہی کی طرف لے جا رہے تھے ایسے وقت میں ان کی تحریروں نے قانون کے احترام کا سبق دیا اور تنظیم کو ہی پریشانیوں کا حل قرار دیا۔ انہوں نے اپنی کہانیوں میں تفریح کے ساتھ وہ اخلاقی و مذہبی درس دیا کہ یہ کام بڑے بڑے واعظ نہ کر سکے۔ انہوں نے جاسوسی ناولوں کی شکل میں سماجی، اخلاقی اور معاشرتی برائیوں کے خلاف ساری عمر جہاد کیا۔

اُن کی تحریریں اس بات کی عکاس ہیں کہ انہیں اپنی قوم، اپنی تہذیب، اپنے مذہب اور اپنے کام سے بے حد محبت تھی۔ وہ صاف گفتار بھی تھے اور پیکر ایثار بھی۔ ان کی سادگی وصداقت اور شرافت مثالی تھی۔ وہ محض گفتار کے غازی نہ تھے بلکہ ان کا کردار ان کے نظریات کا عملی نمونہ تھا۔ دنیا میں اُن کی آرزوئیں قلیل لیکن مقاصد جلیل تھے۔ انہوں نے اخلاقیات کو

اپنے ناولوں میں جگہ دے کر ہمدردی اور انسان دوستی کا درس دیا ہے۔ انہوں نے ہمارے سامنے ایسے بے مثال کردار پیش کیے، جن کی وجہ سے ہمارے اندر اخلاق وہدایت، خوش طبعی وزندہ دلی اور فکروعمل کے سوتے پھوٹے۔ حقیقت کی عکاسی نے اُن کے ناولوں کو میدان عمل اور بزم حیات بنادیا ہے۔ فصاحت کی طلسم بندی اور بلاغت کے اعجاز نے اُن کو حیات دوام عطا کی ہے اور وقت کا ریگِ رواں ان کی تحریروں کی تازگی کو بجھا نہ سکے گا۔

دراصل ابنِ صفی پاکستان کے ان جلیل القدر فرزندوں میں سے تھے جن پر ملک ایک عرصہ تک ناز کرے گا۔ آپ ایک ایسے ادیب تھے جن کی سحر آفرینیوں سے پاکستان کے جاسوسی ادب میں ایک نئی روح پیدا ہوئی اور ہمارا جاسوسی ادب جو نہایت پست اور بُری حالت میں تھا آپ کی کرم فرمائیوں سے اس درجہ پر پہنچ گیا ہے کہ آج ہم اس پر جتنا بھی فخر کریں کم ہے۔ ابنِ صفی جاسوسی ادب کے میدان میں ایک مینارۂ نور ہیں۔ بلند، عظیم اور برگزیدہ بھی اور ضونریز وضیاء پاش بھی کہ آنے والی نسلوں کی راہنمائی کے لیے مشعل راہ ہیں۔ انہوں نے جاسوسی ادب کو نہ صرف یہ کہ علمی حیثیت سے مالامال کیا اور اس میں اپنی بلند پایۂ وگراں مایہ تصانیف کا ایک ذخیرۂ یادگار چھوڑا بلکہ اسے ایک ایسا اسلوب بخشا جو نئی نسل کے کام آیا۔ وہ عوامی قلم کار تھے۔ اُن کے ادبی کام میں عوامی بُو باس رچی تھی۔ انہوں نے قوم کا ترجمان بن کر قومی تقاضے پورے کیے اور قوم نے اُن کو زندہ کردیا۔

لوگ کہتے ہیں، ابنِ صفی وفات پاگئے۔ انتقال کرگئے۔ میں کہتی ہوں کہ وہ زندہ تھے۔ وہ زندہ ہیں اور وہ زندہ رہیں گے۔ ہمارے اردگرد، ہماری یادوں میں اور......اور ہمارے دلوں کے اندر۔

"انعام صدیقی"، کراچی سے کہتے ہیں:

انعام صدیقی صاحب ریڈیو پاکستان کے کراچی اسٹیشن پر سینٹرل پروڈکشن کے شعبے میں پروڈیوسر ہیں اور بہت اچھے ادبی ذوق کے مالک ہیں۔ ان کی ادب سے دلچسپی کا یہ عالم ہے کہ انہوں نے اپنی رہائش گاہ میں ایک کمرہ صرف کتابوں کے لیے مخصوص کردیا ہے۔ جس میں تقریباً ایک ہزار کے قریب کتابیں موجود ہیں۔ ابنِ صفی مرحوم کے بارے میں اپنی رائے کا اظہار یوں کرتے ہیں۔

عمر کے کسی نہ کسی حصے میں انسان جاسوسی ادب پڑھتا ہے۔ یہ پڑھے لکھے لوگوں کے لئے سستی اور ہلکی پھلکی تفریح کا ذریعہ ہے اس سے نہ تو ذہن پر بوجھ پڑتا ہے اور آدمی کا وقت بھی کٹ جاتا ہے۔ طالب علمی کے زمانے میں، میں نے بھی جاسوسی ادب پڑھا اور جاسوسی ادب پڑھنے والے کے لیے یہ کہنا ضروری نہیں ہوتا کہ اس نے ابنِ صفی کو بھی پڑھا۔ بلکہ ہر جاسوسی ادب پڑھنے والا ابنِ صفی کو ضرور ہی پڑھتا ہے اور اگر میں یہ کہوں کہ صرف ابنِ صفی کو ہی پڑھتا ہے تو بے جا نہ ہوگا کیونکہ جاسوسی ادب میں ابنِ صفی کو جو مقام حاصل ہوا اس کو دیکھتے ہوئے تقریباً سارے ہی جاسوسی ادب کے لکھنے والوں نے خود بھی اسی انداز کو اپنا لیا ہے چنانچہ یا تو ہم ابنِ صفی کا جاسوسی ادب پڑھتے ہیں یا ابنِ صفی جیسا ادب پڑھتے ہیں۔

میں نے انگریزی کے جاسوسی ناول بھی پڑھے ہیں اور انگریزی کے تقریباً تمام جاسوسی ناولوں میں نوجوانوں کو متاثر کرنے کے لیے ایسے کردار ضرور ڈالے جاتے ہیں جنہیں نوجوان پسند کریں۔ ایسے کردار چیپ ہوتے ہیں جنہیں گھر میں بہن بھائیوں کی موجودگی میں نہیں پڑھا جاسکتا لیکن ابنِ صفی کی مجھے یہ بات بہت پسند ہے کہ انہوں نے اس ڈگر سے ہٹ کر لکھا اور کامیاب رہے۔ ان کے ناولوں میں ہمیں سستا ادب نہیں ملتا۔ ان کے ناول گھروں میں بچے اور بوڑھے ایک ساتھ پڑھ سکتے ہیں بلکہ پڑھتے ہیں۔ آج کل ڈائجسٹوں کی وجہ سے لوگوں میں پڑھنے کا شوق مزید بڑھ گیا ہے لیکن آج سے پندرہ سے بیس سال پہلے جب ڈائجسٹ نہیں تھے تو عام لوگوں میں پڑھنے کا رجحان اتنا نہیں تھا لیکن ابنِ صفی نے یہ کارنامہ انجام دیا کہ لوگوں میں پڑھنے کا شوق پیدا کیا۔ ان کا ایک ناول پڑھ لینے کے بعد دوسرے کا انتظار شروع ہو جاتا تھا اور لوگ دکانوں پر قطاریں لگا کر ان کی کتابیں خریدتے تھے۔ میں بھی ان کے انہی مداحوں میں سے ہوں۔ اور آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ ابنِ صفی کے بعد میں نے جاسوسی ناول پڑھنا چھوڑ دیئے ہیں کیونکہ بہت سے جاسوسی ناول لکھنے والے ان کے کرداروں کو مسخ کر کے پیش کر رہے ہیں اور میں ان کرداروں کو اس صورت میں پڑھنے کے بجائے انہیں نہ پڑھنا زیادہ بہتر سمجھتا ہوں تاکہ میرے ذہن میں ان کا امیج برقرار رہے۔

''خواجہ بیگم'' کراچی سے کہتی ہیں:

خواجہ بیگم صاحبہ بھی ریڈیو پاکستان کراچی سینٹر پر پروگرام پروڈیوسر ہیں۔ انہوں نے ایک

زمانے میں ابنِ صفی کا انٹرویو ریکارڈ کیا تھا اور اسے اپنے پروگرام ''جہاں کوئی نہ ہو'' میں نشر کیا تھا۔ یہ غالباً 78ء یا 79ء کی بات ہے۔ اس پروگرام کا دورانیہ پینتالیس منٹ ہوتا تھا اور اس میں ملک کے نامور ادیبوں، دانشوروں، فنکاروں کو بلایا جاتا تھا اور انہیں کہا جاتا تھا کہ وہ تصور کرلیں کہ وہ کسی ایسے جزیرے پر ہیں جہاں اُن کے علاوہ اور کوئی نہیں ہے تو وہ ایسے میں کون سے گانے سننا پسند کریں گے۔ تب فنکار اپنی پسند کے کوئی سات نغمے سنواتے تھے۔ خواجہ بیگم صاحب نے ابنِ صفی سے متعلق یوں کہا۔

''ان کو دیکھنے سے احساس ہوا کہ وہ ایک سیدھے سادھے انسان تھے اور جو کردار انہوں نے تخلیق کیے وہ خود ان کے بالکل برعکس تھے۔ جس زمانے میں ہم نے انہیں بلایا تھا ان کی صحت بھی ٹھیک نہیں تھی۔ وہ صحت کی خرابی کے باوجود وقت پر ریڈیو اسٹیشن پہنچے تھے اور بہت خوش اخلاقی سے سب سے ملے تھے۔ اور صحت کی خرابی کے باوجود انہوں نے پروگرام کی ریکارڈنگ میں حصہ لیا تھا۔ اُنہوں نے ایک نئے ادب کی بنیاد ڈالی تھی ان کے کردار عام طور پر بڑی پراسراریت لیے ہوئے ہوتے تھے لیکن اس کے برخلاف ان کی اپنی شخصیت نہایت ہی سادہ تھی مجھے حیرت بھی ہوئی کہ یہ خود اتنے سادہ ہوتے ہوئے ایسے کردار کیسے تخلیق کرلیتے ہیں۔ ہم نے پروگرام کے دوران ان سے سوال کیا تھا کہ انہوں نے کرنل فریدی کے کردار یا علی عمران کے کردار کو ٹیلی کاسٹ کرنے کی اجازت کیوں نہیں دی تو اس کا جواب انہوں نے یہ دیا تھا کہ جو تصور کرنل فریدی کا میرے ذہن میں ہے اس سے ملتا جلتا کوئی کریکٹر مجھے پسند نہیں آیا اور وہ اگر کسی اور کریکٹر سے کروایا جائے گا تو کامیاب نہیں ہوگا، اگر کوئی کریکٹر کرنل فریدی کے کردار سے ملتا جلتا ہوتا تو میں ضرور اس بات کی اجازت دے دیتا۔ پھر ہم نے ان سے ایک سوال کیا تھا کہ وہ تو جاسوسی ناولوں میں بڑے بڑے جاسوسی واقعات لکھتے ہیں کیا نجی زندگی میں بھی اس قسم کا کوئی واقعہ پیش آیا یا انہوں نے کبھی جاسوسی کرنے کی کوشش کی تو اس کے جواب میں انہوں نے ہمیں ایک واقعہ سنایا تھا۔ وہ یہ کہ ایک بار ان کے گھر میں چوری ہوگئی تھی چور گھر کا تمام قیمتی سامان چُرا کر لے گئے تھے انہوں نے پولیس اسٹیشن میں رپورٹ درج کروادی...... لیکن کوئی نتیجہ نہیں نکلا...... چنانچہ انہوں نے خود چور کا سراغ لگانے کی ٹھانی پھر انہوں نے گھر کا چپہ چپہ چھان مارا کہ کوئی ایسی چیز ہاتھ لگ جائے جس سے چور کا سراغ لگانے میں آسانی ہو، اس تلاش کے دوران انہیں اپنے گھر کی ڈیوڑھی

سے ایک لانڈری کی رسید ملی اور انہوں نے یہ سمجھا کہ یہ سرا ہاتھ لگ گیا، ہوسکتا ہے کہ یہ رسید چور کی ہو اور اس کی جیب سے گر گئی ہو۔ چنانچہ ابنِ صفی صاحب نے وہ رسید سنبھال کر رکھ لی اور بعد میں اسے پولیس اسٹیشن پر جمع کروادیا اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ چونکہ انہوں نے شک ظاہر کیا تھا کہ یہ چور کی رسید ہے چنانچہ پولیس کے کئی آدمیوں کو اس بات پر مقرر کردیا گیا کہ وہ لانڈری پر موجود رہیں کیوں کہ رسید ان کپڑوں کی ہے جو لانڈری سے وصول کرنے ہیں چنانچہ جس کی بھی یہ رسید ہوگی وہ اپنے کپڑے لینے وہاں ضرور آئے گا اور اس امید پر پولیس اس فیکٹری پر دھرنا دے کر بیٹھ گئی پھر ایک روز جب ابنِ صفی صاحب اس سلسلے میں تھانے میں بیٹھے تھے چند سپاہی ان کے بہنوئی کو پکڑے ہوئے لے آئے اور بتایا کہ یہ اس رسید کے کپڑے لینے آئے تھے اور تب وہ بہت شرمندہ ہوئے اور بہنوئی سے معافی مانگی اور اس کے بعد آئندہ جاسوسی نہ کرنے کا عہد کیا۔ پھر ابنِ صفی نے اس پروگرام میں اپنی پسند کے سات نغمے سنوائے تھے اور میں کافی دنوں تک ابنِ صفی کے بیان کیے ہوئے اس واقعے کو یاد کرکے مسکرادیتی تھی۔

اشرف حسین صاحب کہتے ہیں:

آپ تھاور ایڈورٹائزنگ ایجنسی میں آرٹ ڈائریکٹر ہیں اور اپنے بچپن میں ابنِ صفی کے ناولوں کو اس شوق سے پڑھتے رہے ہیں کہ جب رات زیادہ دیر جاگنے کی اجازت نہ ملتی تھی تو اپنے کمرے میں زیرو پاور کا بلب آن کرکے اس وقت تک ابنِ صفی کا ناول پڑھتے تھے جب تک کہ وہ ختم نہیں ہوتا تھا انہوں نے ابنِ صفی کے بارے میں اس طرح رائے کا اظہار کیا۔

"وہ لوگ جو شخصیت کا دیومالائی تصور رکھتے ہیں اور انسان کو اس کی حدود میں دیکھنے سے معذور ہیں وہ ابنِ صفی مرحوم کو دور سے دیکھ کر متاثر نہیں ہوتے لیکن جو لوگ شخصیت کو اس کے فکر وفن کے آئینے میں ایک فعال انسان کی حیثیت سے دیکھتے ہیں اور شریفانہ انسانی قدروں پر ایمان رکھتے ہیں وہ یقیناً ان سے متاثر ہوتے ہیں۔ بظاہر ابنِ صفی کا قد متوسط اور جسم درمیانی تھا مگر اس کے پس پردہ عزائم کی آہنی صلاحیت کے ساتھ باطنی شخصیت بہت عظیم اور قدآور تھی ان میں کام کرنے کی لگن تھی اور کام کو مکمل کرکے اسے انجام تک پہنچانے کا حوصلہ تھا ایک زمانے میں وہ بہت علیل ہوگئے تھے لیکن جب تک ان میں ہمت رہی وہ باقاعدگی سے ناول لکھتے رہے۔ اپنی علالت کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ابنِ صفی مرحوم نے اپنے ایک ناول

''خطرناک انگلیاں'' کے دیباچے میں لکھا ہے۔

''ابھی میری علالت کا سلسلہ جاری ہے امراض جگر سے جلد چھٹکارا نہیں ہوتا بس دعا کرتے رہیے کہ پوری طرح آپ کی خدمت کے قابل ہو جاؤں۔''

ان سطروں سے اندازہ ہوتا ہے کہ طبیعت کی ناسازی کے باوجود ان میں کام کرنے کی کتنی لگن تھی اور یہی چیز انہوں نے اپنے کرداروں میں بھی ملحوظ رکھی ہے کہ وہ مسئلے کو حل کر کے ہی دم لیتے ہیں۔ ابنِ صفی اس خدمت کے صلے میں کسی قسم کے انعام کے خواہاں نہیں تھے اس سلسلے میں بھی اس دیباچے میں ایک پیرا ہے۔

''اور ہاں اس خیال کو دل سے نکال دیجیے کہ میں اپنے ہی جیسے کسی انسان سے انعام کا خواہاں ہوں اس کا تصور بھی مجھے احساس کمتری کے گڑھے میں دھکیل دے گا۔ میرے لیے یہی اللہ کا انعام کافی ہے کہ کتب فروش میری کتابوں کو ''کرنسی نوٹ'' کہتے ہیں (اور یہ حقیقت بھی تھی) کہ ابنِ صفی کی کتابیں مارکیٹ میں آتے ہی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہو جاتی تھیں۔ یہ اعزاز آج تک شاید ہی کسی لکھنے والے کو ملا ہو۔

مہدی ظہیر صاحب کہتے ہیں:

ریڈیو پاکستان کے کراچی اسٹیشن پر بکھرے بکھرے بالوں اور کھوئی کھوئی آنکھوں والے مہدی ظہیر صاحب پروگرام پروڈیوسر ہونے کے علاوہ بہت قابل شخصیت ہیں انہوں نے اُردو، عربی اور انگریزی زبان میں ایم اے کیا ہے۔ انہیں عربی زبان پر بہترین قدرت حاصل ہے ان کے گائے ہوئے عربی اور فارسی نغموں کے علاوہ اُردو نغمے بھی ریڈیو اور ٹی وی سے اکثر و بیشتر نشر ہوتے رہتے ہیں۔ ابنِ صفی کے بارے میں انہوں نے کہا۔

''ابنِ صفی اپنی ذات میں ایک مکمل انسان تھے۔ عام لوگوں نے تو انہیں پڑھا اور پسند کیا اور زیادہ تر ان کے ناولوں میں جاسوسی قصے یا کرداروں کی لڑائی اور دشمن کا سراغ لگانے کی جستجو کے بارے میں پڑھ کر خوش ہوئے لیکن مجھے ان کی تحریر میں پوشیدہ برجستہ مزاح نظر آتا ہے ابنِ صفی کے ہاں انسان بور نہیں ہوتا جاسوسی ادب جیسا خشک مضمون ہونے کے باوجود وہ دلچسپی سے پڑھتا ہے اور اس کی وجہ ان کے ہاں پایا جانے والا مزاح ہے جو بے معنی نہیں ہوتا نہ بے موقع اور بے محل لگتا ہے اور بعض جملے تو اتنے خوب صورت ہوتے ہیں کہ بے ساختہ داد دینے کو

جی چاہتا ہے۔ مثال کے طور پر ان کا ایک ناول ہے "پرچھائیوں کے حملے" اس کے پیشرس میں اُنہوں نے ایک جگہ لکھا ہے۔

"عورت اور مرد کے علاوہ دنیا میں اور رکھا ہی کیا ہے، بس مرد ذرا احرام صورت ہوتا ہے اس لیے اس کی تصویر کیا چھاپی جائے...... اگر آپ کے بزرگ یہ چاہتے ہیں کہ آپ قصے کہانیوں کی کتابیں پڑھیں تو آپ کو ان کی اس خواہش کا احترام کرنا چاہیے، پچیس تیس سال کے ہو جانے کے بعد پڑھ لیجیے گا، یا پھر خود بزرگ ہو جانے کا انتظار کیجیے کیوں کہ بیشتر بزرگ بچوں سے چھپا کر میری کتابیں پڑھتے ہیں...... لیکن ایسے بزرگوں کی بھی کمی نہیں ہے جو اپنے بچوں کے لیے صرف میری کتابیں خریدتے ہیں، قصہ دراصل یہ ہے کہ بعض بزرگ بچوں کو کہانیاں اس لیے نہیں پڑھنے دیتے کہ پھر ان کا دل کورس کی کتابوں میں نہیں لگے گا...... ورنہ میری کتابیں تو بچوں بوڑھوں اور جوانوں کے لیے یکساں مفید سمجھی جاتی ہیں یقین نہ آئے تو کسی ڈاکٹر سے پوچھ لیجیے گا خواہ وہ "ادب" کا ڈاکٹر ہو خواہ "ادویات" کا۔

کیوں کیا خیال ہے یہ ادب اور ادویات والی پھبتی آپ کو مسکراہٹ نہیں دے کر گئی؟

اس کے علاوہ ایک اور مثال میں آپ کو دیتا ہوں یہ بڑا عام سا مسئلہ ہے کہ سگی بہنوں کے علاوہ نوجوان کسی اور لڑکی سے بھائی کہلوانا پسند نہیں کرتے کیوں کہ شاید اس سے ان کی عاشقانہ حس متاثر ہوتی ہے اس بات کو ابنِ صفی نے اپنے ایک ناول "آدمی کی جڑیں" میں بہت خوبصورت انداز میں بیان کیا ہے یہ وہ ناول ہے جس کی ابتداء 1959ء میں ہوئی اور تین سال کی علالت کی بناء پر وہ جہاں تہاں رہ گیا۔ ابنِ صفی لکھتے ہیں۔

"جب کہانی لنگڑانے لگے...... اور خصوصاً وہ کہانی جس کا آغاز اور انجام دونوں ہی اندھیرے میں ہوں تو بیان کرنے والا بڑی دشواریوں میں پڑ جاتا ہے...... لیکن یہ کہانی تو بڑے اچھے پیرائے میں آگے بڑھ رہی تھی کہ اچانک سطوت نے کمال کو کمال بھائی کہنا شروع کر دیا حالانکہ وہ پہلے اُسے کمال صاحب کہا کرتی تھی ایک روز تو ہنس کر کہنے لگی میرا دل چاہتا ہے کہ میں بھی ابی صاحب کی طرح آپ کو "بھایان" کہا کروں۔" کمال نے اس وقت تو یہ بات ہنسی میں اُڑا دی لیکن سطوت ایک دن اس مسئلے پر سنجیدگی سے گفتگو کر بیٹھی۔ اس نے کمال کو بتایا کہ اس کا کوئی سگا بھائی نہیں ہے لیکن کمال کی ہم جلیسی میں اسے بڑے بھائی کی شفقت کی لذت

محسوس ہوتی ہے اس لیے یہ اس کا اٹل فیصلہ ہے کہ اب وہ اسے بھایان ہی کہا کرے گی۔
کمال کا لہجہ خون ہو گیا اس نے تو بڑے جذباتی انداز میں دیو داس ٹائپ کے ہوائی قلعے بنائے تھے لیکن سطوت سے مسکرا کر کہنا ہی پڑا ''ضرور کہیے مجھے بے حد خوشی ہو گی پھر اس نے سوچا کہ وہ کتے کا پلا کیوں نہ ہوا آدمی ہونے میں کون سے سرخاب کے پر لگ جاتے ہیں بس یہی نا کہ آدمی بن کر جلتے رہو...... جھلستے رہو اپنی ہی بوٹیاں نوچتے رہو...... اپنا ہی خون پیتے رہو پھر بھایان بنو اور ٹھنڈا پانی پی کر سو رہو''۔
مہدی ظہیر صاحب کی اس تحریر سے اندازہ ہوتا ہے کہ ابنِ صفی کو کس کس نے کس کس انداز سے پڑھا اور سمجھا ہے۔

جمیل زبیری صاحب کہتے ہیں:

جمیل زبیری صاحب ریڈیو پاکستان کراچی کے سینٹرل پروڈکشن یونٹ کے ڈپٹی کنٹرول ہیں اُنہوں نے اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا۔
''میری صرف ایک ہی رائے ہے اور وہ یہ کہ ابنِ صفی نے اُردو میں ایک نئے انداز کی بنیاد بھی ڈالی اور بہت خوش اسلوبی سے نبھایا بھی ہے اُنہوں نے جو انداز اپنایا تھا وہ آخر تک برقرار رکھا اور اُردو میں جاسوسی ادب کے بانی رہے اور شاید اب یہ جاسوسی ادب ان پر ہی ختم بھی ہو جائے، حالانکہ ابنِ صفی کو ادبی حلقوں میں وہ مقام نہیں دیا جاتا جو کسی اعلیٰ درجے کے ادیب کا ہوتا ہے لیکن اس کے باوجود ان کو اس صف سے خارج بھی نہیں کیا جا سکتا۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ انہوں نے بہت زیادہ ثقیل قسم کا ادب تخلیق نہیں کیا لیکن ان کے ناولوں کو ہم ادب سے بالکل خارج نہیں کر سکتے اُنہوں نے لائٹ ادب کو بہر حال اپنایا ہے اور اس کی جھلک ہمیں ان کے ناولوں میں اکثر جگہوں پر ملتی ہے میں نے انہیں زیادہ نہیں پڑھا لیکن جتنا جانتا ہوں اس کو مدِنظر رکھتے ہوئے میں یہ بات کہہ رہا ہوں کہ اب شاید جاسوسی ادب میں ایسا لکھنے والا کوئی پیدا نہ ہو سکے۔''

مشتاق حسین صاحب کراچی سے کہتے ہیں:

مشتاق حسین صاحب کراچی ریڈیو اسٹیشن کے سینٹرل پروڈکشن کے شعبے ہی میں پروگرام نیجر ہیں۔ انہوں نے فرمایا کہ جاسوسی ادب تخلیق کرنیوالوں کو ادبی حلقوں میں بہت اچھی نظر سے

نہیں دیکھا جاتا لیکن میں ابنِ صفی کے جاسوسی ادب اور خصوصاً جناب ابنِ صفی کی شاعری سے بے حد متاثر ہوں جناب ابنِ صفی نے اپنے ناولوں کی وساطت سے اُردو کی ترویج واشاعت میں جو کردار ادا کیا ہے وہ ناقابل فراموش ہے ان کے تحریر کردہ ناول ہر مکتبۂ فکر اور ہر سطح کے عوام پسند کرتے تھے اور یوں بالواسطہ تربت سے چترال تک اردو کو مقبولیت ملی وہ صرف جاسوسی ادب ہی تخلیق نہیں کرتے تھے بلکہ انہیں اپنے ہم عصر شاعروں میں ایک ممتاز مقام بھی حاصل تھا۔

سعید میر صاحب کراچی سے کہتے ہیں:

جناب سعید میر صاحب ریڈیو پاکستان کراچی کے شعبۂ موسیقی کے پروڈیوسر ہیں۔ انہوں نے ابنِ صفی کے بارے میں اظہار رائے کے لیے ان کی شاعری کو منتخب کیا انہوں نے کہا۔

"ابنِ صفی پر کافی لکھا جا چکا ہے لیکن پھر بھی کم ہے ان کی شخصیت اور شاعری کے گوشے اب بھی تاریکی میں ہیں اور اگر تاریکی میں نہیں تو اچھی طرح روشن نہیں ہوئے ہیں، ہر بڑے شاعر کی شخصیت اس کے کلام میں جھلکتی ہے وہ فطرتاً شاعر ہوتا ہے اور اس کا کلام اس کی شخصیت کا پرتو، طبیعت کی لہر اور اس کے باطن کا جوش ہوتا ہے اور یہ تمام خوبیاں ابنِ صفی کے ہاں ملتی ہیں۔

ابنِ صفی کے کلام کا مطالعہ کرنے سے احساس ہوتا ہے کہ ان کی شخصیت ایک اعتبار سے فکر واحساس کے لیے نبرد گاہ ہے، آلام روزگار سے جہاں وہ متاثر ہیں وہاں ان کی فکر انہیں مردانہ واران آلام کے مقابلے کی دعوت بھی دیتی ہے۔

وہ ان آلام کے سامنے سپر نہیں ڈالتے۔ بلبلے کی طرح بیٹھ نہیں جاتے بلکہ ڈٹ کر مصائب کا مقابلہ کرتے ہیں بے قدری کی شکایت، مصائب کا بیان۔ یارانِ وطن کی بے مہری کا ذکر ان کے یہاں ملتا ہے، ابنِ صفی مزاج کے اعتبار سے حساس ہیں ان کے ہاں ستار کے تاروں کا سا ارتعاش ہے جو معمولی سے تصادم سے تھرتھرانے لگتے ہیں ان کی شخصیت کا یہ ایک پہلو ہے ان کی شکایت میں شکر۔ یاس میں آس، افسردگی میں جوش ہے۔ ان کی عظمت کا راز ان کی غیر معمولی فکری صلاحیتوں میں ہے۔ جس کی جھلک ان کی شاعری کے علاوہ نثر میں بھی نظر آتی ہے۔"

منظور جمال صاحب کراچی سے کہتے ہیں:

منظور جمال صاحب بھی ریڈیو پاکستان کراچی اسٹیشن پر سروس کرتے ہیں اور شعبۂ موسیقی

سے متعلق ہیں اُنہوں نے سب سے عجیب بات کی۔

''میں ہر کام عبادت کی طرح کرتا ہوں جب میں کوئی کام کر رہا ہوتا ہوں تو میری توجہ اس کام کے لیے وقف ہوتی ہے مثال کے طور پر اگر میں اپنا چشمہ صاف کر رہا ہوتا ہوں تو میرے ہاتھ چشمے کو صاف کرنے کے عمل میں مصروف ہوتے ہیں اور میرا ذہن صرف چشمے کے متعلق سوچتا ہے اور آنکھیں اس پر مرکوز ہوتی ہیں میرے کہنے کا مطلب یہی ہے کہ میں اگر ابنِ صفی جیسے بڑے مصنف کے بارے میں کچھ کہوں تو صرف ان پر ہی بات کروں اور کوئی بات میرے ذہن میں نہ ہو، چنانچہ میں اس کام کے لیے الگ وقت مقرر کرنا چاہتا ہوں دیکھیے نا اگر ہم کسی اور کام کے دوران تھوڑا سا وقت نکال کر ابنِ صفی پر بات کریں تو یہ ان کے ساتھ بڑی ناانصافی ہوگی۔ ایک شخص جس نے اپنی ساری عمر ایک مقصد کے لیے وقف کر دی ایک طرح کے انداز تحریر کو جلا بخشنے میں صرف کر دی کیا ہم چند لمحے بھی اس شخص کے نام نہیں کر سکتے چنانچہ میں صرف ابنِ صفی پر بات کروں گا۔'' ان کی یہ بات دل کو لگی تھی کہ اتنے بہترین مصنف اور پر خلوص انسان کے لئے ہمیں خاص طور پر الگ سے وقت نکال کر ہی بات کرنا چاہیے کیوں کہ ابنِ صفی نے ہماری دلچسپیوں کے لیے خود کو وقف کر دیا تھا تو ہمیں بھی اپنا کچھ وقت ان کے لیے وقف کرنا چاہیے۔ منظور جمال صاحب نے کہا ''ابنِ صفی نے جاسوسی ادب جیسے خشک موضوع کو دلچسپ بنا کر لوگوں میں پڑھنے کا شوق پیدا کیا اردو سے پہلے ہمیں انگریزی ادب میں جاسوسی ادب نظر آتا ہے اور وہاں اس میں دلچسپی پیدا کرنے کے لئے فحاشی اور تیسرے درجے کا مواد شامل کیا جاتا ہے۔ جس سے ہمارے ماحول کے لئے وہ کتابیں قابل قبول نہیں ہیں لیکن ابنِ صفی نے جاسوسی ادب کو نہ صرف فحاشی سے پاک کیا۔ بلکہ اس کی جگہ نہایت شستہ مذاق کو دی جو طبیعت پر گراں نہیں گزرتا اور اسے چھوٹے بڑے یکساں پسند کرتے ہیں اور پڑھ سکتے ہیں، ابنِ صفی کی کتابوں کو ہمارے معاشرے کے ہر گھر میں رکھا جاسکتا ہے، اُن میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس کی وجہ سے ہم اسے گھروں میں رکھنے سے کترائیں ان کی کتابیں گھرانے کے تمام افراد پڑھ سکتے ہیں اور اُن سے محظوظ ہو سکتے ہیں۔''

طارق احمد کہتے ہیں:

طارق احمد نے ابنِ صفی صاحب کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا۔

میں نے ابنِ صفی مرحوم کی شہرۂ آفاق سیریز عمران اور جاسوسی ادب کی تقریباً تمام جلدیں پڑھی ہیں اور کئی کئی مرتبہ پڑھی ہیں اب اگر کوئی مجھ سے ان کی تحریر اور اندازِ بیان پر روشنی ڈالنے کو کہے تو میں یقین سے کہوں گا کہ میں نے ابنِ صفی مرحوم کی تحریر کو دنیا کے بہترین رائٹرز جن میں اگاتھا کرسٹی اور ہیڈلے چیز بھی شامل ہیں کے برابر پایا۔ ابنِ صفی مرحوم کی تحریر صاف ستھری اور ہر قسم کی لغویات سے مبرا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریر کو بچے بڑے سب پسند کرتے ہیں اور شوق سے پڑھتے ہیں اس کے علاوہ انہوں نے اپنی تمام تحریروں میں جدید اندازِ فکر اپنایا اور ایسے واقعات ہمارے سامنے لائے جو حقیقت ہوتے ہوئے بھی ہماری نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں۔ بعض وجوہات کی بناء پر انہوں نے اپنی تحریر میں سپنس، ایڈونچر اور شوخی کو اس مناسبت سے استعمال کیا کہ لوگ ان کی تحریر کے دیوانے ہو گئے لیکن ابنِ صفی کے انتقال کے بعد مجھے کوئی ایسا رائٹر نظر نہیں آ رہا جو ایسا جاسوسی ادب تخلیق کر سکے جیسا ابنِ صفی نے کر دکھایا۔

ڈاکٹر محمد جمال خاں صاحب کہتے ہیں:

ڈاکٹر محمد جمال خاں کافی عرصہ فوج میں کیپٹن رہنے کے بعد اب اپنا ذاتی کلینک چلا رہے ہیں اُنہوں نے ابنِ صفی کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار یوں کیا۔

''ابنِ صفی کے جاسوسی ناولوں کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ تقریباً تیس پینتیس سال تک ہر ماہ باقاعدگی سے شائع ہونے کے باوجود ان سے کبھی اکتاہٹ کا احساس نہیں ہوا اور لوگوں میں وہی دلچسپی باقی رہی جو روزِ اول تھی ہر ماہ ان کے نئے ناول کا انتظار رہتا تھا ہر بار وہ ایک نئے موضوع پر قلم اٹھاتے تھے۔ انہوں نے جتنے بھی ناول تخلیق کیے ان میں سے کسی بھی ناول کا آئیڈیا دوسرے سے نہیں ملتا انہوں نے جو کردار تخلیق کیے وہ بھی مثالی ہیں ان جیسا کوئی کردار آج تک اردو ادب میں کوئی جاسوسی ادب لکھنے والا پیدا نہ کر سکا ابنِ صفی کے فن کا یہ کمال ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اگر ہم انہیں بھول بھی جائیں تب بھی ان کے تخلیق کردہ کرداروں عمران اور فریدی کو نہیں بھول سکتے وہ کردار ان کی کتابوں میں امر ہو گئے ہیں۔''

محترم قارئین! ان صفحات میں جتنے بھی لوگوں نے اظہارِ خیال کیا۔ تقریباً سب نے ہی یہ بات ضرور کہی کہ ابنِ صفی اردو زبان میں جاسوسی ادب کے بانی کی حیثیت رکھتے ہیں اور بلاشبہ ابنِ صفی نہ صرف اردو ادب میں جاسوسی کے بانی ہیں بلکہ وہ جاسوسی ادب میں طنز و مزاح کی بناء

ڈالنے کے بھی ذمہ دار تھے وہ نہ صرف ایک بلند پایہ طنز نگار اور منفرد ظریف نثر نگار تھے بلکہ فطرتِ انسانی کے کامل نباض اور ہماری تہذیب اور معاشرت کے ایک چابک دست ناقد بھی تھے۔ یہ ایک ایسی خوبی ہے کہ اس کی وجہ سے ان کی نثر اس وقت تک زندہ رہے گی جب تک اس دُنیا میں انسان کی ہنگامہ آرائیاں باقی ہیں اُنہوں نے اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لیے اپنے دور کے دوسرے لکھنے والوں سے الگ تھلگ ایک نئی راہ نکالی اور آخر وقت تک نہایت پامردی اور کامیابی کے ساتھ اس راہ پر گامزن رہے انہوں نے اپنی فنکارانہ جولانیاں دکھانے کے لیے جو میدان منتخب کیا اس میدان میں کوئی ان کا ہم عنان نہ بن سکا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی عبارت میں انفرادیت کی شان پائی جاتی ہے ان کی پاکیزہ ظرافت اور بے مثال طنز نے ان کو لافانی بنادیا ہے وہ اپنی فطری زندہ دلی کی وجہ سے ہر بات میں ہنسنے ہنسانے کا پہلو نکال لیتے تھے طنز و مزاح کے میدان میں انہیں وہ مقام حاصل ہوا ہے جو نہ تو ان سے پہلے جاسوسی ادب میں کسی اور کو نصیب ہوا ہے اور نہ اس کے بعد کسی کو نصیب ہوا اُن کے بعد کسی نے بھی ان کی کامیاب تقلید نہیں کی ظرافت کا مقصد محض ہنسنا ہنسانا ہی نہیں ہوتا بلکہ اپنے معاشرے پر صحت مندانہ تنقید اور اصلاح بھی پیش نظر ہوتی ہے یہی وجہ ہے کہ طنزیہ انداز میں تلخی اور تندی پیدا ہو جاتی ہے اس تندی اور تلخی کو کارگر بنانے کے لئے ظرافت و مزاح کی چاشنی ضروری ہے۔ ابن صفی کا کمال یہی ہے کہ ان کی عبارت میں طنز و ظرافت کا متوازی امتزاج پایا جاتا ہے ان کا عظیم مقصد اپنے دور کی تہذیب و معاشرت کی اصلاح کرنا تھا خصوصاً جدید تعلیم یافتہ مسلمانوں کی مغرب زدگی اور قدامت پرستوں کی تنگ نظری پر انہوں نے کڑی تنقید کی ہے لیکن ان کی سخت سے سخت تنقید بھی ناگوار نہیں معلوم ہوتی اور یہی ان کا کمال ہے وہ اپنا مقصد ایسے لچک دار الفاظ اور مؤثر انداز میں بیان کرتے ہیں کہ پڑھنے والوں پر گراں نہیں گزرتا وہ ہنسی ہنسی میں لوگوں کے دلوں میں چٹکیاں لیتے ہیں۔ زندگی کا کوئی ایسا شعبہ نہیں جس کے عیوب و نقائص اُنہوں نے نہ دکھائے ہوں لیکن وہ سنجیدگی اور متانت کو ہاتھ سے نہیں جانے دیتے انہوں نے جس موضوع کو بھی بیان کیا اس میں جدت اور ندرت کا پہلو نمایاں ہے۔ گو یہ تاثرات ان کے فن اور شخصیت کے شایانِ شان اور نہ ہی ان کی ادبی خدمات کا بدل ہیں لیکن منافقت سے پر اس دنیا میں اس انداز میں بھی کسی کو یاد کر لینا بہت بڑی بات ہوتی ہے۔ اللہ مرحوم کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے۔

قارئین کے سوالات محترم ابنِ صفیؒ سے
مع اُن کے جوابات بالفاظِ ابنِ صفی

(اقتباساتِ ''پیشرس'')

محترم ابنِ صفی کے پڑھنے والوں میں مختلف مکتبۂ ہائے فکر کے لوگ تھے۔ میرے ذہن میں ایک خیال گزرا کہ کیوں نہ ان کی تحریروں کے بارے میں خود ابنِ صفی کے خیالات بھی معلوم کیے جائیں۔ چونکہ اب وہ ہمارے درمیان موجود نہیں ہیں تو اُن کی تحریروں ہی کو ہم نے ذریعہ بنایا کیونکہ جب تک وہ زندہ رہے لوگوں کے اعتراضات اور مطالبات کے جواب اپنے ناولوں کے دیباچے میں دیتے رہے۔ چنانچہ ہم نے اُن کے تقریباً سوا دو سو ناول اکٹھا کیے اور ان کے دیباچوں کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد زیرِ نظر مضمون مرتب کیا۔

لوگ عموماً اُن سے سوال کرتے تھے کہ انہوں نے سری ادب ہی کو کیوں منتخب کیا۔ دیگر رائج موضوعات مثلاً عشق و محبت پر کیوں نہیں لکھا؟ تو اس کا جواب انہوں نے عمران سیریز کے ایک سو چھبیسویں ناول ''لاشوں کا بازار'' کے دیباچے میں یوں دیا۔

''میں نے کوشش کی ہے کہ پڑھنے والوں کے مشوروں پر پوری طرح عمل کیا جائے لیکن بعض مشورے ایسے بھی ہوتے ہیں جنہیں میں قابلِ اعتنا نہیں سمجھتا کیونکہ میرا اپنا معیار بھی تو کوئی چیز ہے۔ یہ مشورے جن پر میں کان نہیں دھرتا زیادہ تر عشقیہ اور جنسی ناولوں کے لیے ہوتے ہیں۔ میں اُن پر کان یوں نہیں دھرتا کہ یہ سب میرے بس کا روگ نہیں۔ نہ میں افلاطونی عشق کا قائل ہوں اور نہ جنسی بے راہ روی کا۔ لہٰذا آپ کو میرے ناولوں میں نہ لیلیٰ مجنوں کی کہانیاں مل سکتی ہیں اور نہ کسی ڈان ژون کی داستان۔ ویسے میرے جاسوسی ناول نویسی کی

داستان ہی اس داستان سے شروع ہوتی ہے۔''

''غالباً یہ 1952ء کی بات ہے۔ اچھے خاصے پڑھے لکھے آدمیوں کی ایک نشست میں کتابوں اور مصنفوں کی مقبولیت کے بارے میں بحث چھڑ گئی۔ ایک صاحب کہنے لگے کہ جنسی لٹریچر کے علاوہ اور کسی کی مارکیٹ نہیں ہے اور نہ ہو سکتی ہے۔ بس اُسی دن سے مجھے دُھن ہو گئی کہ کسی طرح جنسی لٹریچر کا سیلاب رُکنا چاہیے۔ کافی سوچ و بچار کے بعد یہ طے پایا کہ جدید طرز پر جاسوسی ناولوں کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے لہٰذا جاسوسی دُنیا کی داغ بیل ڈال دی گئی۔ اُس وقت اُردو کے جاسوسی لٹریچر میں آنجہانی تیرتھ رام فیروز پوری کے تراجم یا محترم ظفر عمر حیات کے چند ناولوں کے علاوہ کچھ بھی نہ تھا لیکن جاسوسی دُنیا کے اجراء کے تقریباً چھ ماہ بعد ہی ہندو پاکستان میں جاسوسی لٹریچر کا سیلاب آ گیا اور آج میں ان صاحب سے پوچھتا ہوں کہ جنسی لٹریچر کا وہ سیلاب کہاں ہے؟ مگر اُن کی آواز میرے کانوں تک نہیں پہنچتی؟

الٰہ آباد کی جاسوسی دُنیا سے ابنِ صفی نے اپنے...... فنی سفر کا آغاز کیا۔ ہر ماہ ایک ناول شائع ہونے لگا اور اُن کے ناولوں اور اُن کے منفرد انداز نے اتنی شہرت حاصل کی کہ اُن کا جوبلی نمبر شائع ہونے کی باری آ گئی۔ اس زمانے میں جاسوسی دُنیا کے دیباچے عباس حسینی صاحب لکھتے تھے۔ ''دُہرا قتل، جناب ابنِ صفی کا 26 واں ناول تھا۔ اُس کے دیباچے میں عباس حسینی صاحب ابنِ صفی کے متعلق لکھتے ہیں۔

''خوفناک ہنگامہ'' جاسوسی دُنیا کا جوبلی نمبر جس شان و شوکت سے نکلا اسی طرح اس کا خیر مقدم بھی کیا گیا۔ لوگوں کے انتظار اور جاسوسی دُنیا سے محبت کا وہ نظارہ قابل دید تھا جب ناول شائع ہونے سے قبل دفتر میں ہزاروں شائقین کے سوالیہ چہرے گھومنے لگے۔ ''جوبلی نمبر آیا''؟ یہ سوالیہ لہجہ شدت اختیار کرتا گیا جوبلی نمبر کی اشاعت اُردو میں بے شک ایک نئے باب کا اضافہ ہے اور یہ حقیقت ہے کہ ابنِ صفی کا سحر طراز قلم ہمیشہ نئی چیزیں اور نئے واقعات سامنے لاتا ہے۔ ایشیا کا واحد ناول نگار ابنِ صفی دُنیا کا واحد مصنف ہے جو مزاح، رومان، تحیر، استعجاب، ہوشربا، سنسنی خیز، بھیانک اور جرائم سے متعلق واقعات کو ایک سانچے میں ڈھال دیتا ہے۔ اس کا جواب اُردو ادب میں ہی نہیں، عالمی ادب میں بھی نہیں ہے۔ ابنِ صفی پچیس ناول پیش کر کے اپنا یہ چیلنج منوا چکا ہے کہ وہ اپنی طرز کا واحد ادیب ہے۔

عباس حسینی صاحب نے اتنی جرأت تو کی کہ ابنِ صفی کو دُنیا کا واحد ناول نگار کہا ہے کہ جس نے جرائم سے متعلق واقعات کو ایک سانچے میں ڈھال دیا ہے اور انہیں اپنی طرز کا واحد ادیب قرار دیا۔ حالانکہ بعض افراد انہیں ادیب کا درجہ دینے کے بھی سخت مخالف ہیں۔ اُن کی زندگی میں بھی یہ بات متنازعہ ہی رہی کہ ابنِ صفی ایک اچھے ادیب ہیں۔

''ساتواں جزیرہ'' میں وہ ایک صاحب کے اسی طرح کے سوال کا جواب یوں دیتے ہیں۔

''اس بار ایک صاحب نے ایک دلچسپ خواہش کا اظہار کیا ہے. فرماتے ہیں۔ آپ جب اتنا اچھا لکھ سکتے ہیں تو ادبی انعام کے لیے کوشش کیوں نہیں کرتے۔ خاص طور پر ایک ناول اس کے لیے بھی لکھیے۔ میرا دعویٰ ہے کہ آپ کامیاب رہیں گے۔''

''جناب عالی! میرا سب سے بڑا انعام یہی ہے کہ آپ میری کتابیں پسند کرتے ہیں انہیں حرف بہ حرف اس طرح پڑھتے ہیں کہ بعض عبارتیں از بر ہو جاتی ہیں اور آپ بے تکان ان کے حوالے اپنے خطوط میں دیتے ہیں اور مجھے متعدد کتابیں اُلٹنی پڑتی ہیں کہ میں نے یہ چیز کب اور کہاں لکھی تھی۔

''ویسے ایک بات ہے آپ کسی ''پبلک چوٹی فنڈ'' سے کوئی ایسا ادارہ قائم کیجیے جو اچھی ادبی تخلیقات پر انعام دے سکے تو اس کے لئے سر دھڑ کی بازی لگا دوں گا کیونکہ اس کی نوعیت قومی ہو گی لیکن شخصی انعام کا تصور بھی میرے لئے توہین آمیز ہے یا پھر شخصی انعام کی کوشش اس صورت میں کر سکوں گا جبکہ اس کا تعلق کسی بہت بڑے عالم یا دانشور کی ذات سے ہو کیونکہ علماء کے مقابلے میں تو میں زندگی بھر خود کو کمترین ہی محسوس کرتا رہوں گا۔''

اس کے علاوہ ''ریگم بالا'' میں اس مسئلے کو پھر چھیڑا گیا ہے۔ اس بار پھر ایک صاحب نے ادب میں میرے مقام کا مسئلہ چھیڑا ہے اُن کا خیال ہے کہ میں ''ادیب'' نہ سہی لیکن ''مشاہیر'' کے ساتھ میرا نام بھی لیا جا سکتا ہے۔ میں اُن سے متفق نہ ہوتا لیکن اسی دوران کراچی کا ایک ماہنامہ نظر سے گزرا جس میں معلومات عامہ سے متعلق ایک سوالنامہ شائع ہوا ہے اس کا پانچواں سوال اس طرح شروع ہوتا ہے۔ (5) کیا آپ کو ان مشہور شخصیات کے اصل نام یاد ہیں (الف) داتا گنج بخش (ب) حافظ شیرازی (ج) مولانا ابوالکلام آزاد (د) فردوسی (س) شیر شاہ سوری (ط) شوکت تھانوی (ہ) بھولو پہلوان (ی) ابنِ صفی۔ ملاحظہ فرمایا آپ نے مرتب

کی کوشش .... ہے، مجھ میں اتنی ہمت کہ بھولو پہلوان صاحب کو بیچ سے ہٹا کر شوکت تھانوی کے برابر کھڑا ہو سکوں۔ ایک ادبی بزرگ سے اس زیادتی کا شکوہ کیا تو بڑی سنجیدگی سے بولے۔ ''تم دُنیائے ادب کے بھولو پہلوان ہو اس لیے ریاض جاری رکھو، فضول باتوں میں نہ پڑو، دنگل ہو کہ قلم کی بازی گری سب پیٹ کے لیے ہے۔ اس (مرد قلندر) کی بات دل کو لگی اور یہ حقیر پر تقصیر بہ طیب خاطر دھندے سے لگ گیا۔ بہر حال کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اب اس قصے کو ختم کیجئے، نہ مجھے ادیبوں میں تلاش کیجئے نہ مشاہیر میں، آپ تو بس یہ دیکھا کیجیے کہ کس کتاب میں کس حد تک آپ کا جی بہلانے میں کامیاب ہوا ہوں اور مجھے لکھ بھیجا کریں۔''

''ادب'' ہی سے متعلق ایک اور دیباچہ میری نظر سے گزرا۔ یہ ''تیسری ناگن'' کا دیباچہ ہے اس میں ابنِ صفی لکھتے ہیں۔

''اس کے بعد ان خطوط کا نمبر آتا ہے جن میں مجھ سے فرمائش کی گئی ہے کہ میں ''ادب'' کی بھی کچھ خدمت کروں عجیب بات ہے کہ جب میرا کوئی ناول بہت پسند کیا جاتا ہے تو مجھ سے ''ادب'' کی خدمت کرنے کی فرمائش ضرور کی جاتی ہے۔

بھائی آپ تو صرف مجھے اُردو کی خدمت کرنے دیجئے (اس کے باوجود کہ صرف ونحو کی غلطیاں مجھ سے بھی سرزد ہوتی ہوں گی) آپ میری اس وقت کی خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب مجھے کسی سندھی یا بنگالی بھائی کا خط بہ ایں مضمون ملتا ہے کہ محض آپ کی کتابیں پڑھنے کے شوق کی وجہ سے اُردو پڑھ رہا ہوں۔ پڑھ کر سنانے والوں کا احسان کہاں تک لیا جائے۔ اب بتایئے میں ''ادب'' کی خدمت کروں یا میرے لیے ''اردو'' ہی کی خدمت مناسب ہوگی۔ ویسے اپنے نظریات کے مطابق میں ادب کی بھی خدمت کر رہا ہوں، سوسائٹی کی بھی اور میری اس خدمت کا انداز نہ تو بدلتے ہوئے حالات سے متاثر ہوتا ہے اور نہ وقتی مصلحتوں کے تحت کوئی دوسری شکل اختیار کر سکتا ہے۔ بہر حال میں قانون کا احترام کرنا سکھاتا ہوں۔

'' کچھ لوگ ''ادب'' میں میرے مقام کی بات شروع کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ آپ کی نظروں میں میرا کوئی نہ کوئی مقام ضرور ہے ورنہ آپ کو اس کی فکر ہرگز نہ ہوتی۔''

''ویسے اگر آپ ادب میں مقام کے سلسلے میں مجھ سے کچھ سننا ہی چاہتے ہیں تو سنیے۔ اساطیری کہانیوں سے لے کر مجھ حقیر کی کہانیوں تک آپ کو ایک بھی ایسی کہانی نہ ملے گی جس

میں جرائم نہ ہوں...... اور آج بھی آپ جسے بہت اُونچے قسم کے ادب کا درجہ دیتے ہیں اور جس کا ترجمہ دُنیا کی دوسری زبانوں میں بھی آئے دن ہوتا رہتا ہے کیا جرائم کے تذکروں سے پاک ہوتا ہے؟ کیا اُس کے مضرت رساں پہلوؤں پر ہمارے نقاد کی نظر پڑتی ہے؟ اگر نہیں. تو کیوں؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مجرمانہ ذہنیت رکھنے والے لوگ کہانیوں میں بھی (جو دراصل ذہنی فرار کا ذریعہ ہوتی ہیں) پولیس یا جاسوس کا وجود نہیں برداشت کر سکتے۔ چلئے پولیس کو اس لیے برداشت کرلیں گے کہ وہ للکار کر سامنے آتی ہے لیکن جاسوس تو بے خبری میں پتا نہیں کب گردن دبوچ لے۔ لہٰذا اگر مجھے ادب میں کوئی مقام پانے کی خواہش ہے تو جاسوس کو چھٹی دینی پڑے گی۔ لیکن میں اس پر تیار نہیں کیونکہ مجھے ہر حال میں شر پر خیر کی فتح کا پرچم لہرانا ہے۔ میں باطل کو حق کے سامنے سر بلند نہیں دکھانا چاہتا۔ میں معاشرے میں مایوسی نہیں پھیلانا چاہتا...... ایسی مایوسی جو غلط راستوں پر لے جائے۔

بس تو پھر آپ بھی مقام وقام کا چکر چھوڑیئے اور مجھے وہیں رہنے دیجئے جہاں میں ہوں اگر آپ کو میری کہانیاں پسند ہیں اور آپ یہ محسوس کرتے ہیں کہ میں آپ کے تھکے ہوئے ذہنوں کے لیے معیاری تفریح مہیا کر رہا ہوں تو میں اسی پر مطمئن ہوں۔''

ابنِ صفی نے اتنا لکھا اور اتنا ڈوب کر لکھا کہ انہیں اپنی صحت کا بھی خیال نہیں رہا اور وہ سخت بیمار ہوگئے اور یہ بیماری اس حد تک بڑھ گئی کہ وہ تقریباً تین سال تک اپنے قارئین سے جدا رہے۔ اس بارے میں وہ ''ڈیڑھ متوالے'' میں لکھتے ہیں ۔

کیا سمجھتے ہو جام خالی ہے
پھر چھلکنے لگے سبو آؤ!

آج پھر تین سال بعد آپ سے مخاطب ہوں کہ آپ کی دُعاؤں نے ہی دوبارہ اس قابل کیا کہ پھر خدمت کرسکوں میرا سینہ فخر سے تن جاتا ہے جب یہ سوچتا ہوں کہ میری صحت یابی کے لئے مسجدوں، مندروں، کلیساؤں اور گوردواروں میں دُعائیں مانگی جاتی تھیں۔ مجھ تک میرے پڑھنے والوں کے خطوط بھی پہنچتے تھے لیکن جواب دینے سے قطعی معذور تھا بس کڑھ کر رہ جاتا تھا۔ بالکل ناکارہ ہو کر رہ گیا تھا۔ توقع نہیں تھی کہ پھر لکھنے کے قابل ہو سکوں گا۔ ایسے محسوس ہونے لگا تھا جیسے کبھی کچھ لکھا ہی نہ ہو۔ بیماری کی ابتداء نروس بریک ڈاؤن سے ہوئی تھی پھر

یادداشت پر اثر پڑا اور اس کے بعد مستقل طور پر دوسرے تیسرے شدید قسم کے قلبی دورے پڑتے رہے۔ ادھر یارانِ طریقت تھے کہ طرح طرح کی افواہیں پھیلا رہے تھے۔ ابنِ صفی پاگل ہوگیا۔ کاٹنے دوڑتا ہے، ابنِ صفی نے پینے کی حد کردی تھی (حالانکہ میری سات پشتوں میں بھی کبھی کسی نے نہ پی ہوگی) اس لیے ایک دن نروس بریک ڈاؤن ہوگیا۔ ابنِ صفی کا کسی سے عشق چل رہا تھا اُس نے بے وفائی کی، دل شکستہ ہوکر گوشہ نشین ہوگیا۔ (حالانکہ گھٹیا قسم کے عشق کا تصور ہی میرے لیے مضحکہ خیز ہے)

آخری اطلاع یہ تھی کہ ابنِ صفی کا انتقال ہوگیا۔ اس خبر پر سچ مچ دل اسی طرح بھر آیا تھا جیسے میں خود ہی ابھی ابھی ابنِ صفی کو مٹی دے کر واپس آیا ہوں پھر درجنوں ابنِ صفی پیدا ہوگئے جواب بھی بفضلِ تعالیٰ بقیدِ حیات ہیں اور دھڑلے سے میرے کرداروں کی مٹی پلید کررہے ہیں۔ ان میں سے ایک تو ایسا ہے جس نے فحاشی کی حد کردی۔ حمید اور فریدی کو بھی رنڈی باز بنا کر رکھ دیا۔ سوچیے اور سر دُھنیے، خدا ان سبھوں کی مغفرت فرمائے اور مجھے صبر جمیل کی توفیق عطا کرے۔

پھر جب میری صحت یابی کی خبریں اخبارات میں چھپنے لگیں تو یار لوگوں نے یہ شوشہ چھوڑا کہ میرے اور عباس حسینی کے تعلقات خراب ہوگئے ہیں۔ اب بھارت میں میری کتابیں ان کے ادارے سے نہیں شائع ہوں گی (ان بے چاروں کو شاید یہ نہیں معلوم کہ ایک درجن کتابیں تو میں عباس حسینی کی مسکراہٹ ہی پر قربان کرسکتا ہوں (بشرطیکہ کسی بات پر جھینپ کر مسکرائے ہوں)۔

اب کچھ ایسی باتوں کا ذکر سنیے جو بیماری کے دوران میرے لئے مزید اذیتوں کا سبب بن رہی تھیں یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ میں دُنیا کا مظلوم ترین مصنف ہوں۔ لاہور کے بعض پبلشرز نے مل کر میری ساری کتابیں چھاپ ڈالیں (میری اجازت کے بغیر) چونکہ ایک وقتی اپاہج کا مال تھا اس لیے ایک ہی کتاب کئی کئی پبلشرز نے بیک وقت چھاپ کر مارکیٹ میں ڈھیر کردیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اس ہیچ مقدار کی کتابیں چھ چھ آنے میں فٹ پاتھ پر بک گئیں۔ اکثر کتابوں کے نام بدلے گئے اور پڑھنے والوں کو دھوکا دیا گیا۔ کراچی میں ایک ذات شریف نے میرے ناول "زہریلا آدمی" کے کرداروں کے نام تبدیل کیے اور اسے اکرم الٰہ آبادی کے نام

سے چلا دیا۔ اکرم الہ آبادی بھی خاصے مشہور لکھنے والے ہیں اس طرح ان کی بھی توہین کی گئی۔ جس قوم میں ایسے افراد موجود ہوں کیا وہ قوم دُنیا میں کسی کو منہ دکھانے کے قابل ہو سکتی ہے؟ حشر کی بات دور کی ہے انہیں دُنیا ہی میں بھگتنا پڑے گا انشاءاللہ منتظر رہیں۔

رہی مختلف قسم کے اِبنوں اور صفیوں کی بات تو یہ بے چارے سارے قافیے استعمال کر چکے ہیں لہٰذا اب مجھے کسی ''ابنِ خصی'' کا انتظار ہے میری دانست میں تو صرف یہی قافیہ باقی بچا ہے۔ کوئی صاحبہ (اسی قافیے والی) عرصے سے غلط فہمی پھیلا رہی ہیں کہ وہ میری کچھ لگتی ہیں لیکن یقین کیجیے کہ میرے والد صاحب بھی اُن کے جغرافیے پر روشنی ڈالنے سے معذور ہیں۔ واللہ اُعلم بالصواب۔''

ابنِ صفی کی شہرت کو دیکھتے ہوئے بہت سے لکھنے والوں نے اُن کے طرز کو اپنانا شروع کردیا تھا اور دولت کمانے کا ایک نسخہ اُن کے ہاتھ لگ گیا تھا۔ انہوں نے ابنِ صفی کے کرداروں کو اپنی مرضی سے استعمال کرنا شروع کردیا تھا۔ ''سہمی ہوئی لڑکی'' کے پیش رس میں ابنِ صفی لکھتے ہیں۔

''ایک صاحب نے کسی ایسے مصنف کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ میری اجازت سے میرے کردار استعمال کر رہا ہے اور میں نے اُسے اس سلسلے میں مفید مشورے بھی دیئے ہیں۔

بھئی اس سلسلے میں اس کے لیے میرا مفید مشورہ یہی ہو سکتا تھا کہ وہ میرے کردار استعمال کرنے کے بجائے اپنی صلاحیتوں پر بھروسہ کرے۔ ویسے ان صاحب سے درخواست ہے کہ مجھے اس کتاب کا نام اور ادارے کا پتا لکھ بھیجیں جہاں سے یہ کتاب شائع ہوئی ہے۔''

''گیارہ نومبر'' کے پیش رس میں بھی اسی نقالی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ''اب آیئے بے چارے مصنف کی طرف کہ اُسے بہت دنوں کے بعد پھر وہی پرانا مرض لاحق ہو گیا ہے لیکن اس بار بنگلہ بھاشا میں ہوا ہے یعنی مشرقی پاکستان کے دو پبلشروں نے میرے کچھ ناولوں کا بنگلہ ترجمہ چھاپا ہے اور اس پر میرے نام کی بجائے ''مراد پاشا'' اور ''آلک باری'' رسید کردیا ہے یعنی اُردو میں تو صرف چوریاں ہی ہوتی تھیں لیکن بنگلہ میں تو ڈاکہ پڑا ہے مجھ پر۔''

آلک باری صاحب نے عمران سیریز کے ''بھیانک آدمی'' کو ذبح کیا ہے اور مراد پاشا نے شعلوں کے پورے سیٹ پر دھاوا بول دیا ہے۔ میری سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہی غریب

کیوں ایسوں کے ہتھے چڑھتا ہے۔ان پبلشروں کے خلاف قانونی کارروائی کی جارہی ہے اور انشاء اللہ انہیں کراچی ہی کی عدالت میں حاضر ہونا پڑے گا۔

سنا ہے کراچی میں کوئی گجراتی اخبار عمران سیریز کا کوئی ناول نہ صرف چھاپ رہا ہے بلکہ کرداروں کی ایسی قلمی تصاویر بھی دے رہا ہے جسے دیکھ کر بعض عمران پسند آپے سے باہر ہوگئے ہیں۔ قلمی تصاویر وہ اخبار چھاپ رہا ہے اور صلواتیں مجھے سننی پڑ رہی ہیں۔ یہ دوسرا مرض ہے جو مجھے لاحق ہوا ہے۔اب آپ مجھے مشورہ دیجئے کہ عدالتی کارروائی مناسب رہے گی یا گنڈے تعویذ کروں۔ خرچ دونوں میں ہوتا ہے لہٰذا آپ خرچ کی پروا مت کریں مجھے اپنے مشوروں سے مالامال فرمائیں ورنہ نہ آپ جانتے ہیں کہ میرے کرداروں پر ناول لکھنے والوں کی تعداد تو اب گنڈے تعویذ کی دسترس سے بھی نکل کر تائیفون اور ڈی ڈی ٹی کی حدود میں داخل ہوگئی ہے۔"

پھر ابنِ صفی کے قارئین نے بھی ان نقل کرنے والوں کے خلاف اتنا شور مچایا کہ ابنِ صفی کو "تیسری ناگن" کے دیباچے میں لکھنا پڑا۔

"یارو! کہاں تک دیکھوں؟ کیا کیا دیکھوں ویسے اس میں کچھ قصور آپ کا بھی ہے۔آپ فریدی، حمید اور عمران کے علاوہ اور کسی کردار کی کہانیاں پڑھنا ہی نہیں چاہتے۔ کئی لوگوں نے کوشش کی خلوص نیت سے چاہا کہ آپ ان کے علاوہ بھی کسی کو 'لفٹ' دیں لیکن آپ ٹس سے مس نہ ہوئے۔ نقلی ہی سہی، پڑھیں گے انہی کرداروں سے متعلق۔ آپ اس سے انکار نہیں کر سکتے اگر انکار ہے تو یہ فرمائیے کہ آخر ان 'حشرات الارض' کی کھپت کہاں ہوتی ہے عالمِ ارواح سے تعلق رکھنے والوں کو جاسوسی ناولوں سے دلچسپی نہیں ہو سکتی لہٰذا اب مجھے اس مسئلے پر بور کرنا چھوڑ دیجئے۔ ویسے میں آپ سے وعدہ کر چکا ہوں کہ اگر کسی نے بھی ظفر الملک اور جیمسن کو ہاتھ لگانے کی کوشش کی تو اُسے اس کے لیے عدالت میں جوابدہ ہونا پڑے گا۔"

پھر نقالی کا یہ سلسلہ ابنِ صفی کی زندگی کے ساتھ ساتھ چلنے کے بعد ان کی وفات کے بعد بھی چلتا رہا اور اب تک چل رہا ہے۔

"زمین کے بادل" کے پیش رس میں ابنِ صفی نے اپنے سب سے پہلے جاسوسی ناول کے بارے میں لکھا ہے کہ انہوں نے پہلا ناول کس طرح لکھا۔

"میرا پہلا ناول "دلیر مجرم" تھا۔ پہلا ناول تھا اس لیے کسی بیرونی سہارے کی بھی

ضرورت تھی لہٰذا اس کا مرکزی خیال مغربی ادب سے لیا گیا تھا۔ یہ ایک جرمن مصنف کا کارنامہ تھا جس پر دُنیا کے کئی مصنفوں نے طبع آزمائی کی ہے۔ مثال کے طور پر پیٹر شینی نے اسی پلاٹ کو سینٹرل ڈیزائن کے نام سے پیش کیا ہے۔ وکٹر گن نے یہی کہانی آئرن سائیڈس کے نام سے لکھی ہے...... وکٹر گن کا انداز پیٹر شینی سے کہیں بہتر ہے۔ اس کے مقابلے میں پیٹر شینی کا ناول کسی بچے کا لکھا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ حالانکہ پیٹر شینی، وکٹر گن سے زیادہ مشہور ہے۔ ہندی میں بھی آپ کو اسی پلاٹ پر ایک ناول ''قیامت کی رات'' کے نام سے مل جائے گا اس کے مصنف کا نام مجھے یاد نہیں رہا۔ ہاں تو ''دلیر مجرم'' کا پلاٹ میں نے انگریزی سے لیا ہے لیکن فریدی اور حمید میرے اپنے کردار تھے۔ میں نے اس کہانی میں کچھ ایسی دلچسپیوں کا اضافہ بھی کیا ہے جو اوریجنل پلاٹ میں نہیں تھیں۔ اس کے علاوہ جاسوسی دُنیا میں ایسے ناول اور بھی ہیں جن کے پلاٹ میں نے انگریزی سے لیے تھے مثلاً پُراسرار اجنبی، رقاصہ کا قتل، ہیرے کی کان، خونی پتھر...... ان پانچ ناولوں کے علاوہ آپ کو میرے ایک سو دو ناولوں میں ایک بھی ایسا نہیں ملے گا جس کا پلاٹ میرا اپنا نہ ہو۔ انور، رشیدہ، عمران اور قاسم جیسے خاص کردار میرے اپنے تخلیق کردہ ہیں۔ ذہنوں سے چپک جانے والے دوسرے کردار بھی اوریجنل ہیں مثلاً سنگ ہی اور ایسے ہی دوسرے کردار۔ البتہ ''خوفناک ہنگامہ'' کا کردار ''پروفیسر دُرانی'' انگریزی سے آیا ہے۔ صرف کردار ہی، کہانی میری اپنی ہے۔ اسی طرح ''پہاڑوں کی ملکہ''، ''بن مانس'' اور ''سفید ملکہ'' بھی انگریزی سے ہی آئے ہیں لیکن پلاٹ میرا اپنا ہے...... عمران کے سارے ناول...... بے داغ ہیں۔ ان میں نہ آپ کو کوئی ایسی کہانی ملے گی جس کا پلاٹ انگریزی سے لیا گیا ہو اور نہ کوئی ایسا کردار ملے گا۔

اس طرح ان کے ایک سو دو ناولوں میں بمشکل سات یا آٹھ ناول ایسے نکلیں گے جن میں کسی قسم کی ملاوٹ مل سکے۔ ورنہ بقیہ سب خالص ہیں۔ وہ پانچ ناول جن کے پلاٹ میں نے انگریزی سے لیے ہیں ترجمے نہیں ہیں۔ اُن کی ایک ایک سطر پر میرا دعویٰ ہے۔''

ابنِ صفی کے جاسوسی ناولوں میں جب کچھ پڑھنے والوں کو مار دھاڑ کی کمی محسوس ہوئی اور ہیرو کی برتری پر انہیں حرف آتا محسوس ہوا تو انہوں نے ابنِ صفی کو بہت سے خط لکھے جن کا جواب ابنِ صفی نے اپنے ناول ''تباہی کا خواب'' میں دیا ہے۔

''اصل میں انگریزی کی اسپائی اسٹوریز پر مبنی فلموں نے بعض پڑھنے والوں کا ٹیسٹ بگاڑ دیا ہے اور وہ مجھ سے بھی یہی چاہتے ہیں کہ میرا ہیرو ہر حال میں فولاد کا پٹھا ثابت ہو۔ اُوپر ہوائی جہاز، نیچے توپیں، دائیں سمندر، بائیں آتش فشاں کبھی وہ بموں سے بچتا ہے کبھی توپ کے گولوں سے...... توپیں چلیں اور وہ دھم سے گر پڑا...... ارض وسما...... سمجھے شاید قصہ پاک ہوا لیکن یہ کیا؟ اُس نے تو ایک توپ کے دہانے میں چھلانگ لگائی تھی اور اس کی دُم کی طرف سے نکل کر سمندر کی ایک کشتی میں جا بیٹھا...... توپیں منہ دیکھتی رہ گئیں، ہوائی جہازوں نے منہ کی کھائی، آتش فشاں منہ پیٹنے لگا اور قاری کا منہ دیکھنے کے قابل...... لیکن...... وہ ہیرو دوبارہ بھی منہ دکھاتا ہے...... میں باز آیا...... خدا مجھے معاف کرے اور آپ اس قسم کی فرمائش کرنا چھوڑیے۔ میں تو کہانی کی دلچسپی کا قائل ہوں کہ آپ کچھ ہی دیر کے لیے سہی...... اپنی اُلجھنوں سے نجات پالیں...... اور بس!''

ایسے لوگ جو جرائم میں اضافہ کی وجہ جاسوسی ادب کو سمجھتے ہیں انہیں ابن صفی نے ''مہلک شناسائی'' میں معقول جواب دیا ہے۔

''آج میں خدا کو حاضر و ناظر جان کر یہ اطلاع دے رہا ہوں کہ میں نے ہابیل، قابیل والی ٹریجڈی سے پہلے کوئی جاسوسی ناول نہیں لکھا تھا لیکن کوا بے چارہ آج تک پشیمان ہے کہ اس نے اولادِ آدم کو مٹی کھود کر دفن کر دینے کا فن کیوں سکھایا؟ کوے کا خیال ہے کہ اس کی اس غلطی کی بنا پر آج اولادِ آدم آدمی ہی کو زندہ دفن کر دینے کے فن میں طاق ہو گئی ہے۔

اُوپر کی عبارت کا مفہوم مع سیاق وسباق سلیس اُردو میں لکھیے اور اُردو ادب کے ان چودھریوں کو روانہ کیجیے جو یہ فرماتے ہیں کہ جرائم کی تعداد میں اضافہ ہونے کا سبب جاسوسی لٹریچر ہے۔ یقین کیجیے کہ وہ آپ کے اس حل شدہ امتحانی پرچے کی رسید تک نہ دیں گے۔ کیونکہ پرچا ان کا اپنا سیٹ کیا ہوا نہیں ہے، یا ہو سکتا ہے وہ آپ کو لکھ بھیجیں کہ ہابیل اور قابیل والی ٹریجڈی غلط فہمی کی بنا پر ہو گئی تھی۔ وہ دونوں سمجھتے تھے کہ اب کوئی دوسری عورت پیدا ہی نہ ہو گی لیکن وہ کبھی اس کا اعتراف نہ کریں گے کہ سارے ہی جرائم کسی نہ کسی غلط فہمی کی کوکھ سے جنم لیتے ہیں۔

مستقبل سے مایوسی غلط فہمی ہی کی پیداوار ہے اور آدمی کو جرائم کی طرف لے جاتی ہے۔

مستقبل سے مایوس ہو کر یا تو آدمی جرائم کرتا ہے یا پھر کسی ایسے کرنل فریدی کی تلاش میں ذہنی سفر کرتا ہے جو قانون اور انصاف کے لیے بڑے سے بڑے چہرے پر مُکا رسید کر سکے اور یہی تلاش ہیرو ازم کی کہانیوں کو جنم دیتی ہے۔"

ابنِ صفی کے جاسوسی ادب نے کوئی مجرم پیدا نہیں کیا کیونکہ ابنِ صفی نے اپنے جاسوسی ادب کو معاشرے کی اصلاح کے لیے استعمال کیا ہے۔

ابنِ صفی کے ہاں مجرموں کے لیے معافی نہیں ہے۔ وہ مجرم کو سزا ضرور دلواتے ہیں اور ان کا عبرتناک انجام ان کے پڑھنے والوں کے لیے ایک سبق ہوتا ہے۔ ان کے ہاں مجرم ہیرو نہیں ہوتا۔ "بے چارہ شہ زور" کے پیش رس میں ابنِ صفی لکھتے ہیں۔

"عالم بالا سے پلاٹ نہیں ٹپکتے۔ اس زمین پر جنم لیتے ہیں اور زمین پر جو کچھ ہوتا ہے اسی سے متعلق لکھوں گا۔ کسی جاگیردار کے مظالم کی داستان سن کر یہ پلاٹ ترتیب دیا تھا ..... اس قسم کے مظالم کا انجام کیا ہو سکتا ہے۔ "علامہ وحشت ناک" اس کی ایک ممکنہ صورت ہے۔ ہر چند کہ جاگیردار کے جرم اور قانون کے محافظوں کی چشم پوشی نے اُسے ایک بہت بڑا مجرم بنادیا تھا لیکن قانون بہر حال اپنی جگہ اٹل ہے۔ مجرم کو سزا ضرور ملے گی خواہ دوسروں کے لیے وہ کتنا ہی قابلِ رحم کیوں نہ ہو۔"

ابنِ صفی اپنے جاسوسی ادب کو فلاحی ادب بھی کہتے ہیں "بزدل سورما" کے پیش رس میں وہ لکھتے ہیں۔

"آپ اچھے ہوں یا بُرے جس گھر میں آپ بیٹھے ہیں اس کے درودیوار کی حفاظت آپ پر واجب ولازم ہے۔ جس طرح بھی ممکن ہو اس کی حفاظت کیجیے۔ آنکھیں کھلی رکھیے کہ کہیں آپ نادانستگی میں تو اس گھر کی تباہی کا باعث نہیں بن رہے ہیں۔ صوبائی عصبیت، فرقہ وارانہ منافرت اور دُشمنوں کے فراڈ سے بچنے کا سلیقہ تو آپ میں ہونا ہی چاہیے۔ وطن عزیز کے مشرقی حصے میں ابھی جو کچھ ہو چکا ہے اس کا اعادہ اور کہیں نہ ہونے پائے۔ یقین کیجیے اگر ہم چوکس رہیں تو بیرونی دشمنوں کے سارے حربے کند ہو کر رہ جائیں گے۔

اس وقت دُنیا کو صیہونیت اور بنیاازم سے جو خطرات لاحق ہیں اب ڈھکے چھپے نہیں رہے۔ اُن کے خلاف ایک طاقتور ذہنی محاذ کی ضرورت ہے۔

زیرِ نظر کہانی کا موضوع صیہونیت ہی ہے جس کی وضاحت آپ کو آئندہ کہانی میں ملے گی ورنہ میں بے چارہ ایک جاسوسی ناول نگار...... لاحول ولاقوۃ۔ ایسے کہنے کو تو میں یہ بھی کہہ سکتا ہوں کہ جاسوسی ادب خالص فلاحی ادب ہے کیونکہ جتنی دیر آپ اس تفریح میں مشغول رہتے ہیں بغض وحسد، کینہ اور نفرت وغیرہ آپ کے پاس پھٹکنے بھی نہیں پاتے۔ آپ کا ذہن قانون کی محافظت کرنے والے ہیروز کے قدم بہ قدم رواں دواں رہتا ہے۔''

یہ پیش رس اس زمانے سے تعلق رکھتا ہے جب سقوطِ ڈھاکہ ہوا تھا اور مشرقی پاکستان ہم سے جدا ہو گیا تھا لیکن ناول نگار کے ہاں ہمیں وطن کے حالات حاضرہ پر اس انداز میں شاید ہی اظہار رائے مل سکے۔ ''ہلاکو اینڈ کو'' میں بھی اسی انداز کا پیش رس موجود ہے۔

''پچھلے تین چار ماہ کے دوران کئی غیر ملکی جاسوس پکڑے گئے ہیں۔ اخباری اطلاعات کے مطابق ان کی نشاندہی عوام ہی نے کی تھی۔ مجھے خوشی ہے کہ سری ادب کے مطالعے نے عام آدمی میں بھی اس قسم کی سوجھ بوجھ پیدا کر دی ہے کہ وہ مشتبہ لوگوں پر نظر رکھ سکے۔

کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دشمنوں کے ایجنٹ ہماری آنکھوں میں دھول جھونک جاتے ہیں اور ہمیں احساس تک نہیں ہوتا۔ وہ ہمیں کمزور کرنے کے لیے ہماری قومی یکجہتی پر ہمارے ہی ذریعے ضرب لگاتے ہیں اور ہمیں پتا بھی نہیں چلتا۔ مثال کے طور پر وہ افواہوں کے ذریعے ایسی من گھڑت کہانیوں کو شہرت دینے کی کوشش کرتے ہیں جن سے صوبائی تعصب یا فرقہ واریت کا زہر پھیل سکے۔ ہم اس کا پتا تو نہیں لگا سکتے کہ کوئی افواہ کہاں سے پھیلی ہے لیکن اس پر ضرور قادر ہیں کہ اس افواہ کو دوسرے کانوں تک نہ پہنچنے دیں۔

ہر وقت چوکنے رہیے کہ کہیں آپ خود ہی غیر شعوری طور پر دشمن کا آلۂ کار تو نہیں بن رہے؟ کسی افواہ کو دوسروں تک پھیلانے والا نادانستگی میں دشمن کی مدد کرتا ہے۔ اس وقت قومی یکجہتی کی حفاظت کرنا ہی ملک وقوم کی سب سے بڑی خدمت ہو گی۔ ایسی افواہوں کو اپنی ذات سے آگے نہ بڑھنے دیجیے جس سے صوبائی تعصب یا فرقہ واریت کا زہر پھیلنے کا خدشہ ہو۔''

ابنِ صفی کو زندگی کی منفی قدروں سے کوئی دلچسپی نہیں تھی۔ مندرجہ بالا مثالیں اس کا ثبوت ہیں۔ اس نوعیت کا ایک پیش رس ''جزیروں کی روحیں'' کا ہے۔ اس میں وہ لکھتے ہیں۔

''ہاں اس بار پھر کاغذ کا مسئلہ درپیش ہے۔ اس وقت جبکہ یہ پیش رس لکھ رہا ہوں یقین کے

ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ اس کتاب کے مقدر میں بھی ڈھنگ کا کاغذ ہے یا نہیں؟ کوشش تو اسی کی جاری ہے کہ سفید کاغذ دستیاب ہو جائے لیکن اگر نہ مل سکا تو آپ بھی صبر ہی کیجیے گا۔ کیونکہ میں اپنی ایک پائی بھی بلیک مارکیٹ کی نذر کرنے کو تیار نہیں اگر سرکاری نرخ کے مطابق سفید کاغذ مل سکا تو فبہا ورنہ پھر کوئی رنگین ہی کاغذ استعمال کیا جائے گا۔ غالباً آپ کو بھی بلیک مارکیٹ کرنے والوں سے ہمدردی نہ ہوگی۔"

جس طرح ابنِ صفی اپنے پڑھنے والوں کو وقتاً فوقتاً مشورے دیتے رہتے تھے۔ اسی طرح اُن کے قارئین بھی اکثر انہیں مشورے لکھ بھیجتے تھے جس سے ان کی دلچسپی کا اندازہ ہوتا تھا اور ابنِ صفی صاحب ان مشوروں کو قبول بھی کرلیا کرتے تھے یا پھر بڑا دلچسپ سا کوئی جواب دے دیتے۔ "قاتل ہاتھ" کے پیش رس میں ایک جگہ ابنِ صفی صاحب لکھتے ہیں۔ "ان میں سے بہتیرے حضرات نے میری "ذاتیات" سے متعلق بھی بے تکے قسم کے سوالات کیے ہیں۔ میں کہتا ہوں کہ آخر اس سے پڑھنے والوں کو کیا سروکار کہ مجھے کریلا پسند ہے یا نہیں یا صرف نیم چڑھے کریلے پسند ہیں۔ میٹھا میٹھا ہپ اور کڑوا کڑوا تھو کی عادت میں تو مبتلا نہیں! میرے کتنے بچے ہیں؟ کون سی پیتے ہیں؟ نہیں پیتے تو وجہ لکھیے۔ کتابوں کو ہی پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ آپ عشق و محبت کے قائل نہیں۔ آخر ایسا کیوں ہے؟ کیا کبھی کوئی گہری چوٹ کھائی تھی؟"

"بہت بڑی چوٹ کھائی تھی یارو...... کہ پیدا ہو گیا تھا...... اور اب آپ جیسوں سے نبٹ رہا ہوں؟"

ڈبویا مجھ کو ہونے نے
نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

اس بار ایک عجیب حرکت اور بھی ہوئی ہے کسی صاحبزادے نے کتابوں کی پشت پر چھپنے والی میری تصویر میں بڑی خوبصورت داڑھی اور مونچھوں کا اضافہ کرکے "برائے فوری توجہ" مجھے بھجوائی ہے لہٰذا ان کی تشفی کے لیے میں نے اس بار تصویر کا پوز بدل دیا ہے۔ ممکن ہے انہیں یکسانیت گراں گزری ہو۔ ہر معاملے میں مجھ سے نئے پن کے متوقع رہتے ہیں یار لوگ۔"

"جنگل کی شہریت" کے پیش رس میں ایک صاحب کا مشورہ اور اس کا جواب ملاحظہ ہو۔

"ایک صاحب نے لکھا تھا کہ تھریسیا اور عمران کی شادی کرادی جائے تو بڑا مزہ آئے

... بھائی آپ کو کیا مزہ آئے گا پہلے آپ اس کا جواب دیجیے پھر میں اس رشتے کی تجویز پر غور کروں گا۔ ویسے عمران کا یہ قول آپ کے علم میں بھی ہوگا کہ وہ ابھی شادی کے قابل ہی نہیں ہوا ہے۔''

''ایک اور صاحب رقم طراز ہیں کہ آپ کو سیاست میں ضرور حصہ لینا چاہیے لیکن شرافت سے بھائی جان۔ سیاست اور شرافت کو میرے فرشتے بھی یکجا نہیں کرسکیں گے۔ لہٰذا مجھے ہوائی قلعے بنانے اور کہانیاں لکھنے دیجیے۔''

''نیلم کی واپسی'' کا پیش رس ملاحظہ ہو۔

''اس بار بھی جواب طلب خطوط کا انبار سامنے ہے۔ لوگ اس پر برہم ہیں کہ سلیمان کی شادی کرا دی گئی ہے۔ بھائی اگر مالک نالائق ہے تو اس میں ملازم کا کیا قصور؟ آخر اُس کے سہرے کے پھول کیوں نہ کھلیں؟ کم از کم ملازم ہی کی مٹی پلید ہونے سے بچا لیجیے شادی نہ کرنا کوئی اچھی بات تو نہیں ہے۔ خود اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈے دماغ سے سوچیے۔ کیا آپ سالوں اور سالیوں سے محروم رہنا پسند کریں گے ...؟

کچھ حضرات اس پر مصر ہیں کہ جوزف کی بھی شادی کرایے عمران کی نہ سہی، ایکسٹو کی ٹیم کے سارے افراد کی شادیاں ہونی چاہئیں۔

ارے کیا میں نے ٹھیکہ لے رکھا ہے شادیاں کرانے کا؟ آپ کیسی باتیں کر رہے ہیں..... اور پھر آپ کو کیا پتا کہ ان حضرات کی شادی ہو چکی ہیں یا نہیں۔ اس نوعیت کے سرکاری ملازمین بال بچوں کو ساتھ نہیں رکھا کرتے۔ پھر مجھے کیا پڑی ہے کہ اُن کے لواحقین کا بھی تذکرہ کروں۔''

''ہیروں کا فریب'' کے پیش رس میں جو مشورہ دیا گیا ہے وہ ملاحظہ ہو۔

''دوسرے صاحب نے مشورہ دیا ہے کہ میں ارل اسٹینلے گارڈنر کی طرح لکھا کروں۔ کیوں لکھا کروں بھائی؟ کیا آپ گارڈنر کو مشورہ دے سکیں گے کہ وہ میری طرح لکھا کریں؟ ویسے آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ گارڈنر کی کہانیوں کے ترجمے اُردو میں نہیں چلتے اور انگریزی میں بھی اُن کے پڑھنے والوں کا ایک مخصوص حلقہ ہے۔ ہر طبقے میں اُن کی کتابیں مقبول نہیں ہیں۔

بحمد اللہ آپ کے اس حقیر پاکستانی مصنف کی کتابیں ہر طبقے میں پڑھی جاتی ہیں پھر کیا وجہ

ہے کہ وہ کسی کی نقالی کرکے خود کو محدود کر لے۔ میرا اپنا الگ انداز ہے اور میں اس پر مطمئن ہوں۔"

"طلسمات کا دیوتا" کے پیش رس میں جو کچھ ابنِ صفی نے لکھا ہے اس کو پڑھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ جاسوسی ادب میں عورت اور مرد کا فرق جس طرح مٹایا گیا ہے وہ اس کے کتنے خلاف ہیں۔ ملاحظہ کریں۔

"کم از کم ایک صاحب کے ایک خط کا جواب دینا بے حد ضروری سمجھتا ہوں۔ وہ پوچھتے ہیں۔ آخر آپ کی کتابوں میں عورت اور مرد دور دور کیوں رہتے ہیں؟

سوال بڑا ٹیڑھا ہے لیکن سیدھا سا جواب ملاحظہ فرمایئے۔ ابھی ہمارا معاشرہ ارتقاء کی اس منزل میں ہے جہاں عورت اور مرد کے درمیان کم از کم ایک چپل کا فاصلہ تو ہونا ہی چاہیے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ اگر مردوں کے دوش بدوش ترقی کی راہ پر چلنے والی کوئی عورت کسی فٹ پاتھ پر چل رہی ہو اور آپ سے سہواً بھی ٹکراؤ ہو جائے تو آپ اُسے دوش بدوش کی بجائے پاپوش بدست دیکھیں گے۔"

"ڈیمو کیسل" کے پیش رس میں ایک قاری کے دلچسپ سوال کا جواب ابنِ صفی نے بڑے اچھے انداز میں دیا ہے اور وہ حقیقت سے بہت قریب ہی نہیں بلکہ حقیقت پر بھی مبنی ہے۔

"ایک صاحب نے پوچھا ہے کہ آخر کب تک اپنے نام کے ساتھ (بی۔اے) لکھواتے رہیں گے؟ اب تو بڑا مضحکہ خیز لگنے لگا ہے۔ اس سلسلے میں اس کے علاوہ اور کیا عرض کروں کہ میرے زیادہ تر پڑھنے والے میرا نام (بی۔اے) کے دُم چھلے کے بغیر دیکھنا پسند نہیں کرتے۔ انہیں اُس پر کسی نقلی ابنِ صفی کا دھوکا ہوتا ہے اور تو اور "دھماکا" کے پروڈیوسر مولانا ہی نے بھی مجھے اس سلسلے میں نہیں بخشا۔ گراموفون کے ریکارڈوں تک پر (بی۔اے) کا ٹھپہ لگوا دیا ہے۔ اشتہارات میں ابنِ صفی ذرا سا اور (بی۔اے) گز بھر کا لکھواتے ہیں۔ یونیورسٹی کے ایک پروفیسر دوست نے ایک بار کہا تھا کہ ایکسٹرنل سے (ایم۔اے) بھی کر ڈالو۔ میں نے کہا کیا فائدہ کہلاؤں گا تو (بی۔اے) ہی خواہ ڈاکٹریٹ کیوں نہ کر لوں۔ کہنے لگے ٹھیک ہی کہتے ہو۔ ابنِ صفی (ایم۔اے) یا ڈاکٹر ابنِ صفی نقلی ہی معلوم ہوگا۔ میرے سلسلے میں پڑھنے والے عجیب ہیں۔ اپنی حالیہ تصویر کتاب کی پشت پر چھاپنی شروع کی تھی کہ چاروں طرف سے شور اُٹھا۔ پرانی ہی چلے گی، مونچھوں والا ابنِ صفی نہیں چلے گا۔ وہی پرانی تصویر بدستور چھاپتے رہو۔

سو، اے دوستو پبلک کے بے حد اصرار پر پھر وہی چھاپنی پڑی۔ مطلب یہ کہ میں اپنی کسی حماقت کا خود ذمے دار نہیں ہوں مجھ سے زبردستی حماقتیں ''سرزد'' کرائی جاتی ہیں۔''

''دہشت گر'' کے پیش رس میں لکھتے ہیں:

''ایک صاحب نے لکھا ہے کہ آپ انگلش میں بھی لکھنا شروع کر دیجیے۔ اس طرح آپ کی اقتصادی حالت بھی مغربی ملکوں کے مصنفوں کی طرح ہو جائے گی۔ انگریزی میں ساری دنیا کا مارکیٹ آپ کو ملے گا اگر باہر ہی کا کوئی پبلشر بھی مل گیا تو اتنی رائلٹی ملے گی کہ آپ بھی ارل اسٹینلے گارڈنر کی طرح اپنا ہوائی جہاز رکھ سکیں گے۔

بھیا! ہوائی جہاز رکھ تو سکوں گا لیکن اس پر بیٹھے گا کون؟ تھان پر بندھا بندھا یا مرے گا۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہوگا کہ اُس پر بھی ''ابنِ صفی کا ہوائی جہاز'' لکھوا لوں گا، اور دیکھ دیکھ کر خوش ہو لیا کروں گا۔

میری جیسی بھی اقتصادی حالت ہے اس پر رب العزت کا احسان مند ہوں مگن ہوں دولت کی ریل پیل ذہنی سکون کی دشمن ہوتی ہے۔ آدمی مشین بن کر رہ جاتا ہے۔ میرے لیے بس اتنا ہی کافی ہے کہ میری ضروریات پوری ہوتی رہیں اور مجھے آپ سے قرض نہ لینا پڑے۔ میں اسے سب سے بڑی دولت مندی سمجھتا ہوں کہ جب میں سونے کے لیے لیٹوں تو مجھے فوراً نیند آ جائے۔''

''مہکتے محافظ'' کا پیش رس نظر سے گزرا تو احساس ہوا کہ ابنِ صفی میگزین اور اس کے ایڈیٹر جناب مشتاق احمد قریشی صاحب سے انہیں کتنی اُنسیت تھی۔

''دوسرے صاحب رقمطراز ہیں کہ جب میگزین آپ کی ملکیت نہیں ہے تو آپ نے یہ دردِسر کیوں مول لیا ہے (ویسے ان کو میگزین بے حد پسند آیا ہے اور ''تزکِ دوپیازی'' کو خاصے کی چیز سمجھتے ہیں) پھر لکھتے ہیں آپ کے نام سے کوئی دوسرا کیوں فائدہ اُٹھائے؟ کیا آپ اتنے غریب ہیں کہ ایک میگزین نہ نکال سکیں؟

بھیا! گزارش ہے کہ کسی دوسرے کے فائدے سے مجھے کوئی نقصان نہیں پہنچتا۔ خود مجھے نکالنا ہوتا تو کبھی کا نکال چکا ہوتا۔ کیا آپ حضرات دس دس روپے کے شیئر خرید کر میری مدد نہ کرتے (اگر اتنا ہی غریب ہوتا) یہ کبھی نہ سوچیے کہ کسی دوسرے کے کام آ کر آپ خسارے میں رہیں گے اور پھر وہ صاحب میرے دوست بھی تو ہیں (مشتاق احمد قریشی صاحب) پہلے

بھی عرض کر چکا ہوں اور ہاں مطمئن رہیے۔ آہستہ آہستہ اس میگزین کی روش عام ڈگر سے بالکل الگ ہو جائے گی اور اس سے آپ کی دلچسپی بھی برقرار رہے گی۔"

"زہرا مین" کے پیش رس میں بھی ابنِ صفی میگزین سے متعلق لکھتے ہیں:

"ایک صاحب نے لکھا ہے کہ آخر میگزین میں آپ اپنی منظومات شائع کیوں نہیں کرتے؟ عرض ہے کہ آپ کی خواہش اس بارے پوری کی جارہی ہے اور میگزین میں "صفحہ دل" کا اضافہ کیا جارہا ہے۔ اب میری منظومات بھی آپ کی نظر سے گزرتی رہیں گی اس کا تو نام ہی ابنِ صفی میگزین ہے لہٰذا سارا کھایا پیا اُگلوا لیجیے۔"

اور سب سے آخر میں سب سے اہم بات، ابنِ صفی کے تاثرات مذہب کے بارے میں۔

مختلف موقعوں پر انہیں کئی ایسے خطوط بھی موصول ہوئے تھے جن میں اُن کی رائے پوچھی گئی تھی کہ وہ کس "ازم" کو پسند کرتے ہیں اور ہر جگہ ابنِ صفی نے دوٹوک جواب دیا تھا "اسلام کو"۔

"پاگلوں کی انجمن" کے دیباچے میں وہ لکھتے ہیں:

"اس سلسلے میں پہلے بھی بہت کچھ لکھ چکا ہوں۔ بانگِ دُہل کہہ چکا ہوں کہ معاشرے میں اللہ کی ڈکٹیٹر شپ چاہتا ہوں لیکن سوال تو یہ ہے کہ یہ ڈکٹیٹر شپ کیونکر قائم ہو؟ میں نے اکثر یہ سوال زبانی بھی دُہرایا ہے اور جس قسم کے جوابات سے دوچار ہوا ہوں اُن کا تجزیہ کرنے پر حسب ذیل نتائج حاصل کیے۔ بعض لوگ داڑھیاں رکھنے پر تیار نہیں۔ بعض خواتین دوبارہ پردہ کرنے پر تیار نہیں۔ جو عیش جس کو نصیب ہے وہ اسے ترک کرنے پر تیار نہیں۔ خواہ وہ ناجائز ذرائع ہی سے کیوں نہ نصیب ہوا ہو۔ بعض نوجوان افراد اپنی پوشش تبدیل کرنے پر رضامند نہیں۔ بعض لوگ محرم اور نامحرم کے چکر سے نکل جانے کے بعد دوبارہ اس میں پڑنے کے لیے تیار نہیں۔

یارو کیا رکھا ہے ان باتوں میں۔ تمہارا ظاہر کچھ بھی ہو لیکن دل مسلمان ہونا چاہیے۔ کچھ نیکیاں سچے دل سے اپنا کر دیکھو۔ آہستہ آہستہ تم خود ہی کسی جبر و کراہ کے بغیر اپنا ظاہر بھی اللہ کے احکامات کے مطابق بنالو گے۔

بس پھر جیسے ہی تم انفرادی طور پر اللہ کے احکامات کے آگے جھکے یہ سمجھ لو کہ ایک ایسا یونٹ بن گیا جس میں اللہ کی ڈکٹیٹر شپ قائم ہے۔ انفرادی طور پر اپنے حالات سُدھارتے جاؤ پھر دیکھو کتنی جلد ہی ایک ایسا معاشرہ بن جاتا ہے جس پر اللہ کی حاکمیت ہو۔ قرآن پڑھو، اس پر عمل

کرو۔ اسے علم الکلام کا اکھاڑہ نہ بناؤ۔ جس طبقے کے تم شاکی ہو اُس کی اصلاح کی سوچو۔ ظلم وتشدد کا تصور تک ذہن میں نہ لاؤ۔ ہمیشہ یاد رکھو تم اس کے غلام ہو جس کی مظلومیت انقلاب لائی تھی۔ یاد کرو طائف کا وہ واقعہ جب میرے آقا و مولاؐ کی جوتیاں تک لہولہان ہوگئی تھیں۔''

اس کے علاوہ اپنی ایک کتاب ''دُھواں ہوائی دیوار'' کے پیش رس میں یوں لکھتے ہیں:

''قریب قریب تمام ماڈرن ازم میرے مطالعے میں آچکے ہیں۔ میں تو اللہ کی ڈکٹیٹر شپ کا قائل ہوں۔ اس میں اس کی گنجائش نہیں ہوتی کہ جب جتنے پیگ کا نشہ ہوا ویسا ہی بیان داغ دیا۔ آپ بھی کسی ازم وزم کے چکر میں پڑنے کے بجائے اسلام کو سمجھنے کی کوشش کیجیے۔ اسلام کے علاوہ اور سارے ازم محض وقتی حالات کی پیداوار ہیں اور کسی ایک ازم کی کوئی دُشواری کسی زمانے میں دوسرے ازم کی پیدائش کا باعث بنتی رہی ہے۔ اسلام کے علاوہ دُنیا کا کوئی بھی ازم اپنے حرفِ آخر ہونے کا دعویٰ نہیں کرسکتا۔ اسلامی نظامِ حیات آج بھی قابلِ عمل ہے لیکن اس کے لیے انفرادی طور پر ہر آدمی کو ایماندار بننا پڑے گا اور یہ بے حد مشکل کام ہے لیکن اس مشکل کا بھی آسان ترین حل بعض یار لوگ یہ بتاتے ہیں کہ عبادت محمد رسول اللہؐ کے بتائے ہوئے طریقے پر کرلو اور روٹی کے لیے کسی یہودی کے در پر ہاتھ پھیلاؤ کوئی مضائقہ نہیں۔

لیکن میرے بھائی میں روٹی بھی اسی اصول کے تحت چاہتا ہوں جس کے تحت عبادت کرتا ہوں بس میرا اسیاسی رجحان اللہ کی ڈکٹیٹر شپ کا قیام اور میرا فن سکھاتا ہے قانون کا احترام۔''

اسی نوعیت کا ایک اور دیباچہ اُن کی کتاب ''خطرناک اُنگلیاں'' کا ہے، ملاحظہ ہو:

''پچھلی بار ایک صاحب کے خط کے جواب میں جمہوریت، ڈکٹیٹر شپ اور اسلام کی بات چلی تھی۔ اس پر ایک بھائی بہت برافروختہ ہوئے اور فرمایا کہ میں نے ادھوری باتیں کی ہیں۔ بھائی صاحب! سوال کی مناسبت سے وہ ایک جواب تھا کوئی مقالہ سپردِ قلم کرنے نہیں بیٹھا تھا۔

اچھا اب پوری بات سن لیجیے اور پھر مجھ پر الزام لگایئے گا کہ میں حکومت سے کوئی انعام لینا چاہتا ہوں یا ایک ایک سرمایہ دار گھرانے سے منسوب انعام کا متمنی ہوں۔ اگر میں اس سوال کے جواب میں کوئی مقالہ لکھ رہا ہوتا تو اگلی سطریں مندرجہ ذیل ہوتیں۔

شہنشاہیت نے اسلامی سماجی ارتقاء کی راہ روک لی تھی ورنہ دُنیا کے بھانت بھانت کے ازموں کا منہ نہ دیکھنا پڑتا اور بھائی اسلام کو تو تماشا بنالیا ہے یار لوگوں نے، جسے دیکھو ایک نئی

تفسیر لیے دوڑا آ رہا ہے لیکن اب وہ وقت دور نہیں جب دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی ہو جائے گا۔ انشاء اللہ عالم اسلام بیدار ہو رہا ہے۔

اور ہاں اس خیال کو دل سے نکال دیجیے کہ میں اپنے ہی جیسے کسی انسان سے انعام کا خواہاں ہوں اس کا تصور بھی مجھے احساس کمتری کے گڑھے میں دھکیل دے گا۔ میرے لیے میرے اللہ کا یہی انعام کافی ہے کہ کتاب فروش میری کتابوں کو ''کرنسی نوٹ'' کہتے ہیں۔

اُمید ہے کہ آپ کی تشفی ہو گئی ہو گی۔ بھائی صاحب اگر میرے سر میں لیڈری کا سودا سماتا تو کبھی کا لیڈر بن کر اب تک ریٹائر ہو چکا ہوتا۔ کیا سمجھے۔ میری طرف سے بدگمان نہ ہوا کیجیے۔ میں ہمیشہ غریب مسلم عوام کے ساتھ رہا ہوں اور انشاء اللہ مرتے دم تک رہوں گا کیونکہ میں بھی غریب ہی ہوں۔ غربت ہی میں ہوش سنبھالا تھا اور اللہ سے دُعا ہے کہ غریبوں کے ساتھ مجھے اُٹھائے۔''

محترم قارئین! درج بالا سطور پڑھ کر کیا آپ کے دل میں بھی ابنِ صفی کے لئے عقیدت وعظمت بڑھتی محسوس نہیں ہو رہی؟ یقیناً ہو رہی ہو گی۔ ابنِ صفی کو بعض لوگ اب تک ایک جاسوسی ادیب ہی کی حیثیت سے جانتے تھے لیکن ان تحریروں کی موجودگی میں انہیں احساس ہو گا کہ وہ بہت بڑے انسان تھے اور ایک سچے مسلمان بھی۔

میرا خیال ہے کہ کسی بھی لکھنے والے کو ایک ادیب کا درجہ دینے کے لیے اور اُس کی تصنیفات کو ادب میں مقام دلانے کے لیے اُس کا اندازِ تحریر ہی وہ ذریعہ ہوتا ہے جس کو کسوٹی پر پرکھنے کے بعد اُس کے مقام کا فیصلہ کیا جا سکتا ہے اور اپنے اندازِ تحریر کے اعتبار سے ابنِ صفی ایک اچھے ادیب تھے۔ اُنہوں نے جاسوسی ادب ضرور تخلیق کیا ہے لیکن اُنہوں نے کبھی بھی جرائم یا مجرموں کی حوصلہ افزائی نہیں کی ہے۔ ان کے اندازِ تحریر میں وہی زندگی اور روشنی ہے جو ہمیں اکبرالہٰ آبادی کی شاعری میں ملتی ہے۔ اکبر نے اپنے اشعار کے ذریعے معاشرے کی برائیوں پر طنز کیا ہے اور ابنِ صفی نے اپنی نثر نگاری میں طنز و مزاح کے ایک بہترین انداز کو اپناتے ہوئے مختلف برائیوں سے پردہ اُٹھایا ہے۔ کاش اب پھر کوئی ایسا ابنِ صفی پیدا ہو سکے جسے زمانے کی بے قدری کی پروا نہ ہو اور وہ ایک ادیب نہ مانے جاتے ہوئے بھی ادب کی خدمت کرتا رہے۔

جب ابنِ صفیؒ پر ''بھارت نواز'' کا الزام لگا؟

اسرار احمد کو آج برصغیر کا ہر شخص، ابنِ صفی کے نام سے جانتا ہے اور اُن کی ذہنی کاوشوں سے اچھی طرح واقف ہے۔ وہ ایشیا کے پہلے اور مقبول ترین جاسوسی ناول نگار کی حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں۔ اُن کے طرزِ تحریر کے بارے میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور ابھی بہت کچھ لکھا جانا ہے۔ ہر شخص اُن کی اعلیٰ تحریر سے واقف ہے اور مشہور انگریزی جاسوسی ناول نگار اگاتھا کرسٹی نے اُن کے بارے میں کہا تھا کہ ایشیا میں صرف ایک جاسوسی ناول نگار ہے اور وہ ابنِ صفی ہے۔ اس تبصرے کے بعد، میرا اُن کے بارے میں کچھ لکھنا محض سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ میرا اُن سے قاری اور مصنف کا رشتہ تو بعد میں قائم ہوا، اس سے پہلے وہ صرف میرے پھوپھا جان تھے۔

میری عمر، اُن کے انتقال کے وقت اتنی کوئی خاص نہ تھی...... اس لیے نہ تو میں اُن کی شخصیت سے مکمل طور پر آگاہ ہوں اور نہ ہی اُن کو اچھی طرح سے جانتا ہوں مگر مجھے اُن کا شفقت آمیز رویہ ہمیشہ یاد رہے گا۔ جب بھی میں اُن کے پاس جاتا تھا تو وہ میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر مجھ سے باتیں کرتے تھے۔ مجھے صرف اُن کی فلم دھماکا یاد تھی...... اس لیے جب بھی میں اُن کے پاس بیٹھتا تھا تو ہمیشہ اُن سے صرف یہ بات کہتا تھا کہ آپ ایک اور دھماکا لکھیے۔

وہ نہایت ٹھنڈے مزاج کے آدمی تھے اور ہر قسم کی محفلوں میں اپنی جگہ بنانے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ اس کا ثبوت ہمیں اس سے ملتا ہے کہ اُن کے حلقۂ احباب میں ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ آدمی سے لے کر ایک ناخواندہ شخص تک شامل تھا جو اپنا نام تک نہیں لکھ سکتا تھا۔ وہ ہر آدمی کی بات نہایت تحمل سے سنتے اور اس بات کا کبھی اظہار نہ کرتے کہ اس شخص کی موجودگی اُن کے لیے ناقابلِ برداشت ہے بلکہ وہ ہر بات غور سے سنتے اور بعض اوقات تو کچھ باتوں کو وہ اپنی

تحریر کا حصہ بھی بنا لیتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی تحریر اتنی زندہ اور بھرپور ہے۔

وہ کبھی بچوں کو شرارت کرنے سے نہیں روکتے تھے ...... بلکہ اُن کی شرارتوں سے بھی وہ اپنے ناولوں کے لئے مواد حاصل کرتے تھے۔ اس سے پتا چلتا ہے کہ وہ آزاد ماحول میں بچوں کی پرورش کے حامی تھے۔ وہ کبھی پڑھنے کے لئے اپنے بچوں کو نہیں ٹوکتے تھے۔

اگر کوئی شخص، اُن کے ناولوں کے پیش رس کو غور سے پڑھے تو اُس کو اس بات کا اندازہ ہوگا کہ وہ نہایت نرم طبیعت، پرخلوص اور محبِ وطن انسان تھے۔ انہیں اپنے قارئین کا بہت خیال تھا اور وہ ہر اُس بات کی، جس سے اُن کا قاری براہِ راست متاثر ہوتا تھا، نہایت اچھی طرح وضاحت کرتے تھے۔

بہت سے لوگ، اُن پر بھارت نواز ہونے کا الزام لگاتے تھے مگر ان تمام عناصر کی نفی 1965ء کی جنگ کے بعد ہوگئی۔ جب اُنہوں نے ایک نظم ''چھوٹا پیگ دھسکی نامہ'' کے نام سے پوربی زبان میں لکھی۔ اس بات سے، اُن کی پاکستان سے والہانہ محبت کا اندازہ ہوتا ہے۔

وہ نہایت نرم طبیعت کے مالک تھے اور اس بات کا ثبوت یہ ہے کہ جب لوگوں نے اُن کے کردار چرا کر لکھنا شروع کیا، تب بھی وہ چپ رہے اور اُن کے خلاف کبھی کوئی کارروائی نہیں کی۔

ہمارے ادیب حضرات، ان کی تحریروں کو ادب میں شامل نہیں کرتے۔ کیونکہ وہ جاسوسی ناول نگار تھے اور اُن کی تحریر، ثقیل فلسفے کی بجائے نہایت سادہ اور ہلکے پھلکے ادب پر مشتمل تھی مگر ہمیں یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ فیض احمد فیض نے ایک بار مشہور نقاد محمد علی صدیقی صاحب سے کہا تھا۔ ''میں نے ابن صفی کے ناول اس لیے پڑھنے چھوڑ دیئے کہ کہیں میری شاعری نہ چھوٹ جائے۔'' اور یہ بات بھی نہیں بھولنی چاہیے کہ اُن کی تحریروں سے ہزاروں لوگوں نے پڑھنا سیکھا۔ اس طرح انہوں نے ایک ملکی خدمت بھی انجام دی۔ ہمارے ادیب، دُہرے معیار کی وجہ سے آج تک اُن کے جاسوسی ناولوں کو ادب میں شامل کرنے کے خلاف کام کرتے آئے ہیں۔

بہت سے لوگ یہ نہیں جانتے کہ وہ ایک نہایت اچھے شاعر بھی تھے اور اُنہوں نے ناول نگاری سے پہلے بہت سی نظمیں اور غزلیں کہیں اور بعد میں بھی شاعری کو یکسر ترک نہیں کیا۔ اُنہوں نے اپنی پہلی نظم تیرہ سال کی عمر میں کہی اور اس کے بعد غیر منقسم ..... ہندوستان کے

رسالوں میں اُن کی کچھ نظمیں، غزلیں شائع بھی ہوئی تھیں۔

اُن کی تحریر اتنی پر کشش ہے کہ اگر کوئی شخص اُن کی کہانی پڑھنے بیٹھے تو اُس کا جی چاہتا ہے کہ کتابوں کا ڈھیر لگا ہو اور وہ ایک کے بعد ایک پڑھتا جائے اور ذخیرہ ختم نہ ہو اور کوئی مخل بھی نہ ہو۔

میں آج بھی اس بات پر افسوس کرتا ہوں کہ میں نے اُن کی کتابیں اتنی دیر میں پڑھنی کیوں شروع کیں۔

(محمد سراج احسن۔ بشکریہ ''نیا رُخ'')

پوربی زبان میں

''چھوٹا پیگ وھسکی نامہ''

(1965ء کی جنگ میں بھارتی فوج کے جنرل چودھری نے کہا تھا
کہ کل ہم لاہور جیم خانہ میں چھوٹا پیگ وھسکی پئیں گے)

بھارتی سینا بڑی لڑیا، رن ما ٹیکھی رہی بھلائے!
مار جو پاکستان ما کھائیں، بھاگ کے دلی پہنچی جائے
دلی والے لپک کے بول، رن جودھا یہ پہنچے آئے
ننکو لال بہادر بولے، حال اب آپن تم دیو سنائے
سینا پت جی روئے کے بولے لٹیا آپن دیس ڈبوئے
بھارتی جودھا پیٹھ دکھائین، رَن کی اور نہ پہنچا کوئے
پاک فوج ہے بڑی لڑیا، اوہ کے بیر بڑے بلوان!
گووا اور منگرول نہ جانیو، وہ باجت ہے پاکستان
بچہ بچہ شیر ببر ہے، نر ناری سب ایک سمان
کہاں پھنسن ہم جائے کے دَیا، بنو سہایک ہے بھگوان
ایسے جیالے کہوں نہ دیکھا، جے چھاتی پر باندھ کے بم!
لیٹ گئے ٹینکن کے آگے، جھوٹ نہ جانیو رام قسم
ہمری توپن پر ہنس جھپٹے، گیند پہ جیسے چتر گدیل
یدھ کا ہنس ہنس ایسے جھیلن، جیسے ہو کرکٹ کا کھیل

وایو سینا دیا رے دیا، نکس گئے دھرتی کے پران
سوچ کے جیارا نکسن لاگا، اب نہ دکھائیو ہے بھگوان
انکھیاں آپن موندلہن یہ کہہ کے سینا پت رن بیر!
کپکپی سگری دیہہ ما پڑ گئی، انکھین سے بہہ نکسے نیر
لال بہادر تُرتے بولے، چھوٹا پیگ وھسکی لے لیو!
دیہہ ما اپنے اوہ کے سہارے نر بلتا نہ آوے دیو
چھوٹا پیگ کے نام پہ کھگھی بند گئے، سینا پت جی کی
کانپ کے بولے ٹھرا پی بے، وھسکی کی ایسی تیسی!
نام پہ وھسکی کے لاہوری جیم خانہ یاد آوت ہے
مورے پیون، موری میا، جیارا ڈوبا جاوت ہے
چپی سادھن سینا پت جی، دوجے جپے لگے ہر نام
ننکو ہاتھن سیس دھرے اب سوچت ہیں کاہو یہے رام

اسرار ناروی (ابن صفی)

لاکھ پردوں میں رہوں بھید میرے کھولتی ہے

شاعری سچ بولتی ہے

"ابنِ صفیؒ ایک شاعر"

جو کہہ گئے وہی ٹھہرا ہمارا فن اسرارؔ!
جو کہہ نہ پائے نہ جانے وہ چیز کیا ہوتی

قوموں کی تاریخ میں سب سے زیادہ ہر دلعزیز شخصیت نامور شعراء کی ہوتی ہے جو کسی قوم کی تہذیب اور تشخص کی علامت سمجھے جاتے ہیں۔ کیونکہ بنیادی طور پر دُنیا کے تمام شاعر، انسانی تہذیب اور تمدن کے مشترکہ ورثے کے امین اور ترجمان ہوتے ہیں، اس لیے ان کی فکر و کلام، عالمی و آفاقی حیثیت رکھتا ہے۔

اسرار ناروی (اسرار احمد صاحب ناروی) نے ابنِ صفی بن کر جاسوسی ادب میں جو نام اور مقام پیدا کیا ہے، وہ سب جانتے ہیں...... اُن کے ادب کو جو قبول عام حاصل ہوا، اُس کی مثال ہمارے یہاں بہت کم ملتی ہے۔ مرنے کے بعد شہرت اور مرتبہ بہت سے ادیبوں کو حاصل ہوا مگر جیتے جی، یہ داد و تحسین اور عقیدت و احترام شاید ہی کسی کے حصے میں آیا ہو۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اسرار ناروی بنیادی طور پر ایک شاعر تھے۔ نازک احساسات اور بلند خیالات کے مالک۔ طالب علمی کے زمانے میں، شاعری اُن کا وصف خاص تھی۔

اسرار ناروی نے اُردو کی کلاسیکی شاعری کا دقیق و عمیق مطالعہ کیا ہے اور میرؔ، غالبؔ، مومنؔ

اور نوح ناروی جیسے اساتذہ سے بھرپور فائدہ اٹھایا ہے۔ انہوں نے جہاں روایتی فنی ہنرمندی سے شعری لہجے کو شائستگی عطا کی ہے، وہاں بدلتی ہوئی زندگی کی جدید اقرار سے اسلوب کی مانگ میں تازہ کاری کی افشاں بھی چنی ہے...... یہی وجہ ہے کہ اُن کے یہاں اگر ایک طرف قدیم تہذیبی لطافت اپنے جلوے دکھاتی ہے تو دوسری طرف جدیدیت کا بانکپن ذہن کے دریچے پر دستک دیتا ہے۔

کسی بڑے شاعر کی تخلیقی کاوشوں کو نظریاتی اعتبار سے مختلف خانوں میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا۔ اس لیے کہ بڑے شاعر کے فکری ڈھانچے اور اُس کے فنی اظہار میں کبھی تضاد نہیں ہوتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مختلف دور میں زندگی کے گوناگوں اور نت نئے حقائق سے اپنے تخلیقی عمل کے تانے بانے تیار کرتا ہے...... لیکن اُس کی نظریاتی سلیست، اُس کی فکر میں ناہمواری پیدا نہیں ہونے دیتی۔ یہی وجہ ہے کہ خیال کی رنگارنگی ہمیشہ یکساں رہتی ہے جو اُس کی تخلیقات کو تضاد کی بھول بھلیوں میں گم نہیں ہونے دیتی اور تیرگی میں چراغ بن کر، منزلِ مقصود کی نشان دہی کرتی ہے۔ اسرار ناروی کا شمار ایسے ہی شاعروں میں ہوتا ہے۔

اسرار ناروی نے غزل اور نظم، دونوں کو وسیلۂ اظہار خیال بنایا ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ نظم کے مقابلے میں اُن کی غزل گوئی زیادہ طرح دار، لطیف اور شائستہ معلوم ہوتی ہے۔ وہ غزل میں اپنے تصورات اور نظریۂ حیات کو روایت سے مربوط رکھ کر، اظہار کی دُشوار گزار وادی سے، جس آن بان اور سبک روی سے گزرے ہیں، وہ اُن کی جمالیاتی ہنرمندی اور سماجی شعور کی عکاس ہے۔ اس میں جہاں غمِ جاناں کی کجلائی شام اور شبِ فراق کی تہ در تہ تیرگی ہے...... وہاں غمِ دوراں کی صبحِ نشاط بھی ہے، اس میں داستانِ جلوۂ جاناں کی دودھیا چاندنی کی سپیدی بھی ہے، اس میں محبوب کے خرام ناز کی سحر انگیز چاپ بھی ہے اور رفتارِ وقت کی تیز رو آہٹ بھی۔ اس میں کہیں زلفِ جاناں کا نرم و نازک سایہ ہے تو کہیں غمِ دوراں کی جھلسا دینے والی دھوپ۔ ان کی غزلوں میں کیفیات و احساسات کے تانے بانے اتنی خوبصورتی اور مہارت کے ساتھ بنے جاتے ہیں کہ بے اختیار داد دینے کو جی چاہتا ہے۔ اپنے ابتدائی دور میں اسرار ناروی نے جگر کے رنگ میں طبع آزمائی کی۔ مثلاً

ہمیں تو ہے مئے گل رنگ وگل رخاں سے غرض
بنائے کفر پڑی کس طرح، خدا جانے

☆☆☆☆

یہ تشنگی کے لئے خوشبوئے مئے گُل رنگ
سہاگ رات میں ہو بوئے پیرہن جیسے

☆☆☆☆

شریکِ بزم ہوئی جب سے چشمِ ساقی بھی!
ہر ایک جام سے چھلکے ...... ہزار مئے خانے

☆☆☆☆

تمام عالمِ امکاں شراب خانہ ہے
یہ اور بات ہے زاہد سبو نہ پہچانے

☆☆☆☆

موجِ مئے گل رنگ کی لرزش ہے کہ رفتار
اے بادو شو! یوں جو چھلک جائے تو کیا ہو

☆☆☆☆

بس اتنا یاد ہے اسرار، وقتِ مہ نوشی
کسی کی یاد بھی آئی تھی، مجھ کو سمجھانے

دوسرے دور میں اُن کی غزلوں اور نظموں میں اُن کا انفرادی رنگ زیادہ گہرا ہو گیا۔ کلام میں درد و اثر بڑھ گیا اور استادانہ رنگ نظر آنے لگا۔ بیان پر قدرت حاصل ہو گئی اور غزلوں میں اخلاقی رنگ جھلکنے لگا۔ اُن کے کلام میں جوش، گہرائی اور منجدھار کا ساز و رہے۔ اُن کی غزلوں کا ایک خاص تیور ہے، ایک بانکپن ہے۔ زبان میں انتہائی صفائی، بیان میں حد درجہ دلکشی، خیالات میں سادگی، جذبات میں معاملہ بندی اور طبیعت میں دردمندی، اسرار ناروی کی شاعری کی خصوصیات ہیں۔

اسرار ناروی کا طرزِ بیان نرالا ہے، اُن کا تخیل انوکھا اور اچھوتا ہے۔ جذبات کے اظہار

میں انہیں غیر معمولی قدرت حاصل ہے...... زندگی کے ہر ساز پر انہوں نے مضراب لگائی ہے۔ شوخی اور ظرافت، انسان کی فطرت کی داستانیں، حسن و عشق اور معاملہ بندی، سبھی کچھ تو بیان کر گئے ہیں مگر سب میں قریب قریب سادگی و پرکاری، روانی، کیف و بے خودی اور محویت و وارفتگی کی لہر محسوس ہوتی ہے۔

وہ جس کا سایہ گھنا گھنا ہے!
بہت کڑی دھوپ جھیلتا ہے!

☆☆☆☆

میرے لبوں پہ یہ مسکراہٹ
مگر جو سینے میں درد سا ہے!

☆☆☆☆

قفس کی داستاں ہے اور ہم ہیں
اشاروں کی زباں ہے اور ہم ہیں
شمارِ زخم ہائے دل کہاں تک؟
حسابِ دوستاں ہے اور ہم ہیں!

☆☆☆☆

اُچٹی ہے جو نیند پچھلی شب سے
بیٹھا ہوں اُداس جانے کب سے

☆☆☆☆

آنکھوں میں پڑھو جو پڑھ سکو، تم!
وہ بات نہ سن سکو گے، لب سے

☆☆☆☆

گھٹ کے رہ جاتی ہے رُسوائی تک
کیا کسی پردہ نشیں سے ملیے!

☆☆☆☆

یہ شاہراہ محبت ہے، آگہی کیسی؟
بجھا سکو تو بجھا دو شعور کی قندیل

☆☆☆☆

بجھ گیا دل تو قیامت ہوگی
پھر کسی شعلہ جبیں سے ملیے!

☆☆☆☆

اُسی جگہ کیوں بھٹک رہا ہوں
اگر یہی گھر کا راستہ ہے

☆☆☆☆

سہانے خواب مجھے جاگنے نہیں دیتے
عجیب طرح کا جادو اس التفات میں ہے

اسرار ناروی، دوسرے شاعروں کی طرح کاغذ، قلم ہاتھ میں لے کر، سوچ و فکر کے بعد، اپنے شعر لکھتے یا لکھواتے نہیں تھے بلکہ از خود اُن کے ہونٹوں سے الفاظ، اشعار کے روپ میں الہامی طور پر نکلتے تھے۔ باوجود اس کے کہ اسرار ناروی نے باقاعدہ کسی سے اصلاح نہیں لی...... پھر بھی جس ہمہ گیر انداز میں انہوں نے شعر کہے ہیں، وہ بے مثال اور لافانی ہیں۔

اسرار ناروی نے جہاں روایتی تشبیہات و استعارات اور فنی محاسن سے بھرپور استفادہ کیا ہے اور انہیں نہایت سلیقے سے اپنی تخلیقی کاوشوں کا حصہ بنایا ہے، وہاں خود بھی نئے استعارے، نئی تشبیہیں اور نئی ترکیبیں وضع کی ہیں۔ ایک اچھے شاعر کی طرح اُنہوں نے روایت کے حسین سرمائے سے فائدہ تو ضرور اُٹھایا ہے لیکن اُسی پر قناعت نہیں کیا بلکہ اُردو کو بڑی حسین نئی تشبیہوں، استعاروں اور ترکیبوں سے مالا مال کیا ہے۔

اسرار ناروی کے مزاج میں خلوص، بے غرضی اور انکساری کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ اُن میں ایک خاص بات یہ تھی کہ وہ چیزوں کو حالات اور لوگوں کو عام آدمی کی طرح نہیں دیکھتے تھے بلکہ اُن کی نگاہ میں ایک عجیب و غریب انفرادیت تھی اور یہی انفرادیت اُنہیں ہر محفل میں مرکزیت دیتی تھی۔ اُن کی مٹی کا خمیر، محبت سے اُٹھا تھا۔ محبت، دوستی اور وفا کی قدریں، اُن کا جزوایمان

تھیں۔ وہ بہت خوش اطوار اور خوش گفتار آدمی تھے۔ دوست واحباب کی آمد سے خود بھی گلاب کی طرح کھل اُٹھتے تھے اور انہیں بھی اپنی محبت سے نہال کر دیتے تھے۔ کوئی دوست روٹھ جائے تو اُسے منانے کا، کسی سے خود خفا ہو جائیں تو گلے شکوے کا انداز ... غرض، اُن کی ہر بات نرالی تھی۔ کتنی ہی تلخیاں ہوں، مٹ جاتی تھیں، کتنی ہی کدورتیں ہوں، دُھل جاتی تھیں۔ اُن کی محبت میں دوست، دشمن کی قید نہ تھی۔ وہ تو سخت سے سخت پتھر کو بھی اپنی محبت کی آنچ سے پگھلا کر موم کر دیتے تھے۔

وہ سچے اور کھرے جذبات کے آدمی تھے۔ کھوٹے لفظوں اور جھوٹے جذبوں کا اُن کے ہاں گزر نہ تھا۔ اُن کی شخصیت کی طرح، اُن کی شاعری بھی ہر قسم کے کھوٹ اور تصنع سے پاک تھی۔ خلوصِ جذبات اور صداقتِ احساس، اُن کی شخصیت اور شاعری، دونوں کے بنیادی جوہر تھے۔ اُن کے دوستوں اور چاہنے والوں کا حلقہ بہت وسیع تھا۔ وہ ایک درویش صفت انسان تھے غریبوں کی مدد اس طرح کرتے کہ ایک ہاتھ دیتے تو دوسرے ہاتھ کو خبر نہ ہوتی تھی۔

میں اس بات پر ہمیشہ فخر کرتا رہوں گا کہ میں نے حضرت اسرار ناروی کو بہت قریب سے دیکھا اور پرکھا ہے۔ جہاں تک میرے فہم وادراک کی دسترس ہے، میں نے انہیں سمجھنے کی کوشش کی ہے لیکن ہمیشہ انہیں اپنی سوچ سے بلند اور عظیم پایا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے بارے میں کچھ لکھتے ہوئے مجھے ... اپنی کوتاہ قلمی اور کم فہمی کا احساس شدت سے ہوا ہے۔ وہ سراپا محبت تھے۔ اُن کے حلقۂ محبت میں ہر طبقہ، ہر سطح اور ہر اندازِ فکر کے لوگ شامل تھے۔ وہ انتہائی بامروت، با اخلاق، مخلص اور فراخ دل انسان تھے۔ اُن کی زندگی کا ہر شعبہ، ان کے بلند عزائم کا آئینہ دار تھا۔ اُن کا حسنِ سلوک اور فنی تخلیقات، اُن کے تمام چاہنے والوں کی مشترکہ جاگیر ہے۔

''متاعِ قلب ونظر'' کے نام سے اسرار ناروی نے اپنا شعری مجموعہ مرتب کیا تھا۔ اُس مجموعے میں سے تین غزلیں انتخاب کے طور پر پیش کی جارہی ہیں۔

راہِ طلب میں کون کسی کا اپنے بھی بیگانے ہیں!
چاند سے مکھڑے رشکِ غزالاں سب جانے پہچانے ہیں
تنہائی سی تنہائی ہے، کیسے کہیں، کیسے سمجھائیں

چشم و لب و رُخسار کی تہ میں روحوں کے ویرانے ہیں
اُف، یہ تلاشِ حسن و حقیقت کس جا ٹھہریں، جائیں کہاں
صحنِ چمن میں پھول کھلے ہیں، صحرا میں دیوانے ہیں
ہم کو سہارے کیا راس آئیں، اپنا سہارا ہیں ہم، آپ
خود ہی صحرا، خود ہی دِوانے، شمعِ نفس پروانے ہیں
بالآخر تھک ہار کے یارو، ہم نے بھی تسلیم کیا
اپنی ذات سے عشق ہے سچا، باقی سب افسانے ہیں
یہی ہے خاک نشینوں کی زندگی کی دلیل
قضا سے دور ہے ذروں کا انکسارِ جمیل
وہی ہے ساز، اُبھارے جو ڈوبتی نبضیں
وہی ہے گیت، نفس میں جو ہو سکے تحلیل
دکھائی دی تھی، جہاں سے گناہ کی منزل
وہیں ہوئی تھی، دلِ ناصبور کی تشکیل
سمجھ میں آئے گی، تفسیرِ زندگی کیا خاک
کہ صرف شوق ہے اجمالِ بے دلی تفصیل
یہ شاہراہِ محبت ہے، آگہی کیسی؟
بجھا سکو تو بجھا دو، شعور کی قندیل
صدائے نالہ بھی آتی ہے، ہم رکابِ نسیم
نہ ہو سکی ہے، نہ ہوگی، بہار کی تکمیل
ہزار زیست ہو پائندہ تر، مگر، اسرار!
اجل نہ ہو تو بنے کون، بارِ غم کا کفیل

☆☆☆☆

آج کی رات کٹے گی کیونکر، ساز، نہ جام، نہ تو مہمان
صبح تلک کیا جانیے کیا ہو، آنکھ لگے یا جائے جان

پچھلی رات کا سناٹا کہتا ہے، اب کیا آئیں گے
عقل یہ کہتی ہے، سو جاؤ، دل کہتا ہے ایک نہ مان
مُلکِ طرب کے رہنے والو، یہ کیسی مجبوری ہے
ہونٹوں کی بستی میں چراغاں، دل کے نگر اتنے سنسان
اُن کی بانہوں کے حلقے میں عشق بنا ہے، پیرِ طریق
اب ایسے میں بتاؤ، یارو! کس جا کفر، کدھر ایمان
ہم نہ کہیں گے آپ کے آگے، رورو دیدے کھوئے ہیں
آپ بنے نے پتا سن لی ہماری، بڑا کرم لاکھوں احسان

مرسلہ

(ابنِ سلطان)

بشکریہ۔ نیا رُخ، کراچی

"دیوانہ"

آہ صحرا نورد دی تابکے او خیرہ سر
آہ تیری زندگی جوشِ جنوں کا شاہکار
حسرتا تیری جوانی وحشتوں سے ہمکنار
تیری دُنیائے خرد کیوں ہوگئی زیر و زبر
یہ پریشاں بال یہ وحشت زدہ طرزِ خرام
چلچلاتی دُھوپ میں آوارہ گردی کس لیے!!
کس لیے آخر بتا صحرا نوردی کس لیے
کس لیے دورِ تعیش ہوگیا تجھ پر حرام
کیوں پپیہے کی صدا سے اس قدر بیزار ہے
تلملا اُٹھتا ہے کیوں دُنیا کو ہنستے دیکھ کر
مسکرا دیتا ہے کیوں دُنیا کو روتے دیکھ کر
کس لیے عقل و خرد سے برسرِ پیکار ہے!!
خشک پتے کیوں چنا کرتا ہے پیڑوں کے تلے
سن کے چرواہوں کی بنسی تو بکھر جاتا ہے کیوں
چلتے چلتے راہ میں اکثر ٹھہر جاتا ہے کیوں
روتے روتے مسکرا دیتا ہے کیوں اوباؤلے
چاندنی راتوں میں تیرے وحشیانہ قہقہے
گونج اُٹھتے ہیں فضا میں آہ آخر کس لیے
قبر میں جی بھر کے سونا زندگی کی نیند کیا
رہ روِ راہِ عدم اُٹھ اب سویرا ہوگیا
رونے والے تابکے یہ شور شر
زندگی مایوسیوں کا نام ہے!!

اسرار ناروی (ابن صفی)

"سوگ"

زمیں سے تابہ فلک عجیب عالم یاس ہے
زمیں کی کون کہے بزمِ قدسیاں ہیں اُداس
نحیف سی ہے دلِ کائنات کی دھڑکن
یہ رات ہے کہ زمانے پہ ہے سیاہ کفن
ستارے ہیں کہ غم کائنات کے آنسو
شمیم گل ہے سرِ گور عود کی خوشبو
سکوت لامتناہی رُندھی رُندھی سی فضا
سسک سسک کے یہ دم توڑتی ہوئی سی ہوا
یونہی اُداس چراغوں پہ سوگ طاری ہے
یہ رات آج کی انسانیت پہ بھاری ہے
یہ سُرخیاں سی اُفق میں یہ پھیکی پھیکی کرن
لہو میں ڈوبا ہوا ہے سحر کا پیراہن
دُھواں دُھواں سے یہ چہرے، لبوں پہ خاموشی
یہ بھیگی بھیگی سی پلکیں دلوں پہ بے ہوشی
خموشیوں نے اجل سے یہ طرز سیکھا ہے
کہ آسماں سے زمین پر سکوت برسا ہے
ہواؤ چیخو کہ اِک چیخ دلخراش اُٹھی !!!
فضاؤ روؤ کہ انسانیت کی لاش اُٹھی

اسرار ناروی (ابنِ صفی)

''آخری التجا''

وہ دیکھو اُفق کے سینے پہ لہرائے شہیدوں کے دامن
پھر باندھے سروں سے اپنے کفن نکلے ہیں فرزندانِ وطن
بن جائے گا لالہ زارِ وطن کچھ دیر میں شہداء کا مدفن
ناموسِ وطن کی تم کو قسم للہ نہ روکو جانے دو

دیکھو تو روانی دریا کی کس طرزِ الم سے بہتا ہے
بے تابیٔ دل کا فسانہ موجوں کی زبانی کہتا ہے
ہر موج ہے رقصاں آنکھوں میں، دل بستۂ طوفان رہتا ہے
موجوں کی قسم، طوفاں کی قسم للہ نہ روکو جانے دو

ہے شمعِ فروزاں آہوں کی، رقصاں غم کا پروانہ ہے
اشکوں کی برستی لڑیوں کا بکھرا دانہ دانہ ہے!!
شہدائے وطن کی رُوحوں تک پیغامِ وطن پہنچانا ہے
کیوں کام ادھورا رہ جائے، للہ نہ روکو جانے دو

وہ دیکھو فضائیں چونک اُٹھیں نعروں کی صدا تھراتی ہے
سناٹے کا سینہ توڑ چکی، کہسار کا دل لرزاتی ہے
اُس پار کھجوروں کے اُوپر پرچم اپنا لہراتی ہے
لو دیر ہوئی جاتی ہے، للہ نہ روکو جانے دو

کیوں اشک بھر آئے آنکھوں میں کچھ ضبط کا بھی تو پاس کرو
اُمید کے گہوارے دل کو للہ نہ وقفِ یاس کرو
تم بھی تو وطن کی بیٹی ہو کچھ فرض کا بھی احساس کرو
ہاں میں بھی تو ہوں فرزندِ وطن للہ نہ روکو جانے دو

گر راہِ وفا میں کام آؤں سیندور سے مانگ بھرے رہنا
بندی نہ مٹانا ماتھے کی تم، میری راہ تکے رہنا۔
میں خواب میں اکثر آؤں گا سینے میں آس رکھے رہنا
اب چھوڑ بھی دو میرا دامن للہ نہ روکو جانے دو

اسرار ناروی (ابنِ صفی)

گھر گھر دیپ جلاؤ

آزادی کی دیوی آئی خوشیاں آج مناؤنا
اے دُکھیارو، آنسو پونچھو، میں کہتا ہوں گاؤنا
بھول بھی جاؤ فاقہ کش ہو، گھر گھر دیپ جلاؤنا
گھر گھر دیپ جلاؤنا

کھیتوں میں ویرانی رقصاں، ہاں میں نے بھی دیکھا ہے
بستی بستی موت رجز خواں ہاں میں نے بھی دیکھا ہے
لیکن موت پہ کس کا بس ہے رام بھجو، ہر گاؤنا
گھر گھر دیپ جلاؤنا

یہ مت سوچو پھول ہے سُندر، کانٹا کا ہے نکیلا ہے
دھن دولت، آزار غریبی سب ایشوور کی لیلا ہے
اِن الجھیڑوں میں پھنس کر تم جی کو روگ لگاؤنا
گھر گھر دیپ جلاؤنا

کچھ مورکھ نادان ہٹیلے دھن وانوں کے دشمن ہیں
دریا میں اور بیر مگر سے بربادی کے لچھن ہیں!!!
دیس کے ان بدخواہوں کی چکنی چپڑی میں آؤنا
گھر گھر دیپ جلاؤنا

مجھ کو دیکھو میں نے بھی تو جیل میں ڈنڈے کھائے ہیں
کتنے پاپڑ بیلے ہیں اور کتنے دھکے کھائے ہیں
سب جنتا کی خاطر پیارو کہنا مانو، گاؤ نا
گھر گھر دیپ جلاؤ نا

اب دھرتی سونا اُگلے گی، بادل مینہہ برسائیں گے
اب صحراؤں کے سینے پر رنگ محل بن جائیں گے
جب تک دھرتی سُونی ہے، میری تقریریں کھاؤ نا
گھر گھر دیپ جلاؤ نا

اسرار ناروی (ابنِ صفی)

ابنِ صفی بی اے نے کہا

کبھی کبھی ہم غیر شعوری طور پر، بہت زیادہ خود پسند ہو جاتے ہیں۔!

ج 101

کچھ لاشعوری گرہیں ہوتی ہیں جو آدمی کو غیر معمولی بنا دیتی ہیں!

ج 101 ·

اچھے آدمیوں کو جاننے کیلیے یہ ضروری نہیں ہے کہ شناسائی کی مدت طویل ہو۔ وہ تو ذرا سی دیر میں نیئرسٹ اور ڈیئرسٹ بن جاتے ہیں۔!

ج 101

اگر پڑھنے والوں کا ذہنی ارتقاء انہیں پیچھے چھوڑ جاتا تو صفحۂ ہستی سے مٹ گئے ہوتے۔

(ج نمبر 7 کے پیشرس سے)

زندگی سے زیادہ حسین دنیا کی کوئی چیز نہیں۔

ج نمبر 46

بہادری اور حماقت میں بڑا فرق ہے۔ بہادر صرف وہ ہے جو شیر کی طرح بہادر اور لومڑی کی طرح چالاک ہو۔

ج نمبر 44

حماقت کا احساس ہو جانا دانش مندی کی علامت نہیں ہے۔ دانشمند وہ ہے جو مسلسل حماقتوں کا مرتکب ہوتا چلا جائے حتیٰ کہ لوگ اسے سچ مچ دانشمند تسلیم کر لیں۔ بھلا حماقت کا احساس ہو جانے کے بعد پچھتاوے کے علاوہ اور کیا ہاتھ آتا ہے۔

ج نمبر 63

آدمی کو خود اپنے ہاتھوں کتنے دکھ جھیلنے پڑتے ہیں! اپنے زمانوں میں اپنے سے اگلوں کے ظلم و ستم سہتا ہے............ پھر اپنے بعد والوں کی حرکتیں برداشت کرتا ہے اور زندگی اسی چکر میں ختم ہو جاتی ہے۔!

ج 101

خدا کو میرا یہ مشورہ ہے کہ ایسے ڈرپوک آدمی پیدا کرنا ہی چھوڑ دے جو نہ دنیا کے کام کے اور نہ دین کے۔!

ج 101

ساری دنیا کی عورتیں ایک ہی قوم ہیں اور اس قومیت میں رنگ و نسل کو دخل نہیں۔

ج 101

مستقبل کے متعلق جو تشویش ہوتی ہے ہر حال میں خوف نہیں کہلاتی۔

ج نمبر 46

اونچے قسم کے جرائم چھوٹے موٹے آدمی نہیں کرتے۔

ج نمبر46

موجودہ تہذیب نے صرف نامرد اور بزدل پیدا کیے ہیں۔

ج نمبر51

عمومیت آدمی کو بے وقعت کردیتی ہے۔

ج نمبر51

بے وقوف سے بے وقوف عورت بھی اگر حسین ہو تو ہزاروں افلاطونوں پر حکومت کرسکتی ہے۔

ج نمبر51

آدمی آسانی پسند واقع ہوا ہے۔

ج نمبر53

ماتحتوں کو آفیسروں ہی سے روشنی ملتی ہے۔

ج نمبر51

عورت کے ذہن کو سمجھنا بہت مشکل ہے۔

ج 101

جی بہلانے کے لیے اور خواب دیکھنے کے لیے کہانیاں بھی تو قومی ضروریات میں شامل ہیں۔!

ج 101

اپنے سکھ قربان کئے بغیر آدمی دوسروں کے دکھ نہیں بانٹ سکتا!

ج 101

عورتیں غصے میں خود سر کے بل کھڑی نہیں ہوتیں۔ بلکہ دوسروں کو کر دیتی ہیں۔

ج 101

آدمی درندگی پر اتر آتا ہے تو جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے کبھی کسی کتے کو دوسرے کتے کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔

ج نمبر 51

نیک کاموں کے لیے اگر آدمی کو اپنی سطح سے گرنا پڑے تب بھی پروا نہ کرنی چاہیئے۔

ج نمبر 56

قانون بنانے والے نہیں جانتے کہ قانون کی حفاظت کے سلسلے میں کونسی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ بعض اوقات قانون کی حفاظت کے لیے غیر قانونی طریقے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔

ج نمبر 51

میں جمہوریت کو گوبر شاہی کہتا ہوں کیوں کہ تیور اس کے بھی شاہانہ ہوتے ہیں۔ لیکن چونکہ حکومت کرنے والے بہ آسانی بیچے اور خریدے جاسکتے ہیں اس لیے انہیں "گوبر شاہی" سے تشبیہ دینا زیادہ مناسب معلوم ہوتا ہے۔

ج نمبر 51

اس انقلاب سے مجھے نفرت ہے، جو خون خرابے کا باعث بنے۔

ج نمبر 51

مجرم اور قانون کے محافظ ایک ہی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔

ج 102

اگر تمہاری محبوبہ تم سے جدا ہو کر کسی اور کے پہلو میں پہنچ جائے تو تم یقیناً خودکشی کرلو گے لیکن وہ محبت نہیں ہوگی۔ وہ تو ٹھیس لگے گی تمہاری مردانگی کو، تمہاری انا مجروح ہوگی......اور غیرت خودکشی پر آمادہ کردے گی۔

ج 102

ہر ماں مذہبی ہوتی ہے۔ خواہ مذہب کے بارے میں کچھ بھی نہ جانتی ہو۔

ج 102

ہر عورت کے لیے ایک مرد ضروری ہے۔

ج 102

اس میں شبہ نہیں کہ ابھی میری صورت آدمیوں ہی جیسی ہے لیکن میں کُتوں کے بارے میں بہت کچھ جانتا ہوں۔

کیا جانتے ہیں؟

یہ کہ بعض اوقات کُتے بلاوجہ بھی بھونکنے لگتے ہیں۔

ع نمبر 2

جی ہاں دیسی کتے!......آج بھی ان پر ولائتی کتے مسلط ہیں۔ یہ بڑے شرم کی بات ہے......آپ ولائتی کتوں کو سینے سے لگاتے ہیں اور دیسی کتے قعرِ مذلت میں پڑے ہوئے ہیں۔

ع نمبر 2

شرابیوں کی ذہنی موت بہت جلد ہو جاتی ہے۔

ج نمبر 51

دوسروں کو اُلّو بنانے کا سائنٹیفک طریقہ یہ ہے کہ خود اُلّو بن جاؤ۔

ع نمبر 3

انسانی فطرت کی روشنی میں اسے دیکھنے کی کوشش کرو! ہم سب ذاتی آسودگی چاہتے ہیں۔ ہر معاملے میں! لیکن حالات کے ساتھ ہی آسودگی حاصل کرنے کا طریقہ کار بھی بدلتا رہتا ہے۔

ع نمبر 6

تبدیلی زندگی کو آگے بڑھاتی ہے۔

ج 102

پشتینی دولت مند عموماً احمق اور مخلص ہوتے ہیں۔

ج 102

ملک وقوم کے تحفظ کے لیے بعض اوقات سارے ضوابط تہہ کر کے طاقِ نسیاں پر رکھ دینے پڑتے ہیں۔

ج 102

یہ غریب آدمیوں کی بستی تو تھی نہیں کہ لوگ گھنٹوں سڑک پر کھڑے ہو کر واقعہ کے متعلق چہ مگوئیاں کرتے۔ یہاں ایسے طبقے کی آبادی نہیں تھی جس کے افراد کسی آوارہ کتے کی اچانک موت پر بھی افسوس کرنے کے لیے اکٹھا ہو جاتے ہیں۔

ع نمبر 8

اگر عاشق ہونا بُری بات ہوتی تو دنیا کے متمدن ترین قوم اپنا عشقیہ لٹریچر فخریہ انداز میں نہ پیش کرتیں۔

ع نمبر 8

میں کتا بن سکتا ہوں، لیکن عورت بننا میرے بس سے باہر ہے کیوں کہ عورت اکثر بھونکے بغیر ہی کاٹ کھاتی ہے اور کتے کاٹنے سے پہلے ہی معذرت طلب کر لیتے ہیں۔

ع نمبر 8

غصّے کی آگ کا ایندھن عقل بن جاتی اور آدمی کسی جلی ہوئی عمارت کی طرح ویران ہو جاتا ہے۔ جو بیکار ہو جانے کے باوجود بھی زمین پر اپنا تسلط جمائے رکھتی ہے......

ع نمبر 9

ہمدردیوں کے مستحق صرف جان پہچان والے ہوتے ہیں۔ ورنہ لاوارث لاشیں فٹ پاتھ پر پڑی ہوئی کیوں ملیں۔

ع نمبر 8

کوا بے چارہ آج تک پشیمان ہے کہ اس نے آدم کو مٹی کھود کر دفن کر دینے کا فن کیوں سکھایا۔ کوے کا خیال ہے کہ اس کی اسی غلطی کی بناء پر آج اولادِ آدمؑ آدمی ہی کو زندہ دفن کر دینے کے فن میں طاق ہو گئی ہے۔

پیشرس — 104 ج

شاعری کرنے والوں میں پیش دستی کی جراٗت ہی نہیں ہوتی...... اس لئے وہ شاعری بھی علامتی کرتے ہیں......

104 ج

ہمدردی کے لیے جان پہچان ضروری نہیں۔

ج 104

یہاں سے پولیس تھوڑی دیر قبل ایک آدمی کی لاش لے گئی تھی! لیکن اب ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی بات ہی نہ ہوئی ہو...... بس تھوڑی دیر کے لیے مکانوں کی کھڑکیاں کھلی تھیں۔ کچھ لوگ سڑک پر نکل آئے تھے...... اور پھر کچھ بھی نہیں...... گویا پرندوں کے جھنڈ پر کسی شکاری نے گولی چلائی...... ایک گرا...... دوسرے اڑ گئے...... اس کے بعد نیچے وہی زمین اوپر وہی بیکراں نیلا آسمان...... اور دونوں کے درمیان وہی ازلی سناٹا۔

ع نمبر 8

عورتیں بھی ایسی اُلو کی پٹھی ہوتی ہیں۔ آدمی کو بری طرح اُلو بناتی ہیں۔ وہ ورڈسورتھ ہو جاتا ہے۔ کیٹس ہو جاتا ہے...... بائرن ہو جاتا ہے...... میر ہو جاتا ہے۔ غالب ہو جاتا ہے۔ دفتر کے دفتر سیاہ کرتا ہے...... مگر مقصد...... مقصد سب کا صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ ایک بچے کا باپ بننا چاہتا ہے۔

ع نمبر 10

ایک دن سورج کی روشنی تاریکیوں میں جا سوئے گی...... اس لیے سورج کو سلیپنگ سوٹ سلوا لینا چاہیئے۔

ع نمبر 10

یہ ملک میری سمجھ سے باہر ہے! لوگوں کی اقتصادی حالت اچھی نہیں۔ وہ آپس ہی میں ایک دوسرے کو کاٹتے بھنبھوڑتے رہتے ہیں۔

ج 104

تمہاری دس بیویاں ہوں پھر بھی تمہیں گیارہویں عورت سے محبت کرنے کا حق حاصل ہے۔ یہی چیز تو ہے۔ جو آدمی کو عام جانوروں سے بلند کرتی ہے۔ جانوروں میں صرف ایک مادہ رکھنے کا رجحان قدرت کی طرف سے ودیعت ہوا ہے۔

ج 104

لڑکیوں کو اگر بے وقوف نہ بناؤ تو کچھ دنوں بعد سچ مچ چغد ہی سمجھنے لگتی ہیں......

ج 104

جب دو عورتیں بیک وقت تمہیں دلچسپ سمجھنے لگیں تو کسی بوڑھی عورت کو تلاش کرو جو، ان کے بیان کی تصدیق کر سکے۔

ع نمبر 10

سنجیدگی بجائے خود ایک بہت بڑی حماقت ہے تم خواہ کتنی ہی شدت سے سنجیدہ کیوں نہ ہو جاؤ زمین آسمان اپنی جگہ پر ہی رہیں گے۔

ع نمبر 11

سلیمان: میں اب خودکشی کرلوں گا۔

عمران: اے اس سے زیادہ آسان نسخہ یہ رہے گا کہ جاسوسی ناول لکھنا شروع کردو۔

ع نمبر 13

''ابنِ ہُد ہُد'' آپ کو میرے نام پر ہنسی آئے گی.... مگر میں بڑا جدت پسند آدمی ہوں.... شاعر لوگ مختلف قسم کے پرندوں کا تذکرہ کرتے ہیں! لیکن بے چارے ''ہُد ہُد'' کا کوئی نام بھی نہیں لیتا! حالانکہ ''ہُد ہُد'' کا ذکر آسمانی کتابوں میں بھی آیا ہے۔ ''ہُد ہُد'' سلیمان اور ملکہ صبا کا قاصد تھا۔

تو آپ کو صرف ''ہُد ہُد'' ہونا چاہیئے تھا'' ابنِ'' کیوں لگا دیا؟

آج کل ''ابنِ'' ہی چالو ہے۔

ع نمبر 10

پڑھا لکھا آدمی ہمیشہ اسی وقت فلسفیوں جیسی گفتگو کرتا ہے جب اسے کسی عورت کی طرف سے دکھ پہنچتا ہے.....یا وہ اس سے دھوکا کھاتا ہے.....اسے گالیاں اس لیے نہیں دے سکتا کہ عورت ہی تو ماں بھی ہوتی ہے پس وہ فلسفیوں جیسی گفتگو کرنے لگتا ہے.....

ج 104

عورت اچھی طرح سمجھتی ہے کہ کسی فلسفے کے پس منظر میں کیا ہے۔ اس لیے اسے بور ہونا ہی چاہیئے..... لیکن مرد اسی طرح شاعری سے فلسفے کی طرف چھلانگ لگاتا ہے۔

ج 104

محبوبہ کے علاوہ دنیا میں اور کوئی بے وفائی نہیں کرتا.....

ج 104

عورت چاہے جیسی ہو ہر حال میں متبرک ہستی ہے کیوں کہ اس نے پیغمبروں، ولیوں اور بڑے بڑے بزرگوں کو جنم دیا۔

ع بیباکوں کی تلاش

میری صحت روز بہ روز خراب ہوتی جارہی ہے۔ اس لیے میں غذا کا وہ حصہ استعمال کررہا ہوں جس میں صرف وٹامن پائے جاتے ہیں۔ چھلکے وٹامن سے لبریز ہیں میں صرف چھلکے کھاتا ہوں آلو کا چھلکا، پیاز کا چھلکا، گیہوں کا بھوسی وغیرہ وغیرہ.........

ع نمبر 2

جب کسی ایمان دار کو اپنی ہی چھت کے نیچے پناہ نہیں ملتی تو وہ تاریک گلیوں میں بھونکنے والے کتوں سے ساز باز کرلیتا ہے۔

ع نمبر 1

کرنل: عمران خدا کی قسم تم ہیرے ہو۔
عمران: اوہ! ایسا نہ کہیئے! ورنہ کسٹم والے ڈیوٹی وصول کرلیں گے۔

ع نمبر2

دنیا کا ہر بڑا آدمی کہہ گیا ہے کہ وہ مشکل ہی نہیں جو آسان ہو جائے۔

ع نمبر1

عورتوں کو اسی وقت مردوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے جب وہ چوہے یا چھپکلی سے خائف ہوں۔

ج 104

میں نے کسی عورت کو ڈر کر مرتے نہیں دیکھا۔

ج 104

مجھے اس کا غم ستاتا ہے کہ مجھے کوئی غم نہیں۔

ج 104

مارتھا: کیا تم واقعی بے وقوف آدمی ہو؟
عمران: پاپا یہی کہتے ہیں۔
مارتھا: اور بچے کی ممی کا کیا خیال ہے؟
عمران: ممی جوتیوں سے مرمت کرنے کی اسپیشلسٹ ہیں۔ اس لیے خاص ہی خاص مواقع پر اپنے خیالات کا اظہار کرتی ہیں۔
مارتھا: میں نہیں سمجھی!
عمران: نہ سمجھی ہوگی۔ انگلینڈ میں جوتیوں سے اظہار خیال کا رواج نہیں ہے۔

ع نمبر2

سچ مچ یہ معجزوں کا زمانہ ہے۔ پرسوں ہی اخبار میں میں نے پڑھا تھا کہ ایران میں ایک ہاتھی نے مرغی کے انڈے دیئے ہیں۔

ع نمبر 2

چوہان: میں سمجھ ہی نہیں سکا کہ یہاں کی عورتیں کس قسم کی ہیں؟

عمران: بس اسی قسم کی ہیں کہ ان کے شوہروں کے علاوہ اور کوئی انہیں ہاتھ نہیں لگا سکتا۔ یہ ہماری ان معزز خواتین سے بہتر ہیں' جو شوہروں کو سائن بورڈ کی حیثیت سے استعمال کرتی ہیں۔

ع نمبر 18

میں تو اللہ کی ڈکٹیٹر شپ کا قائل ہوں۔ اس میں اسکی گنجائش نہیں ہوتی کہ جب جتنے پیگ کا نشہ ہوا ویسا ہی بیان داغ دیا۔

ج نمبر 105 کے پیشرس سے

اسلام کے علاوہ اور سارے ازم محض وقتی حالات کی پیداوار ہیں۔ اور کسی ایک ازم کی کوئی دشواری کسی زمانے میں دوسرے ازم کی پیدائش کا باعث بنتی رہتی ہے!

ج نمبر 105 کے پیشرس سے

اسلام کے علاوہ دنیا کا کوئی ازم اپنے حرفِ آخر ہونے کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ اسلامی نظام حیات آج بھی قابل عمل ہے لیکن اس کے لیے انفرادی طور پر ہر آدمی کو ایماندار بننا پڑے گا اور یہ بے حد مشکل کام ہے! لیکن اس شکل کا بھی آسان ترین حل بعض یار لوگ بتاتے ہیں کہ عبادت محمد رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے طریقے پر کرلو...... اور روٹی کے لیے کسی یہودی کے در پر ہاتھ پھیلاؤ کوئی مضائقہ نہیں!

لیکن میرے بھائی! میں روٹی بھی اسی اصول کے تحت چاہتا ہوں جس کے تحت عبادت کرتا ہوں! پس میرا سیاسی رجحان اللہ کی ڈکٹیٹر شپ کا قیام! اور میرا فن سکھاتا ہے قانون کا احترام!

ج نمبر 105 کے پیشرس سے

برتر وہی ہے، جو بے وقوف ہے! جتنا بے وقوف اتنا ہی برتر... پہلے مرد عورت پر حکومت کرتا تھا... طاقت سے... اب بے وقوف یعنی برتر بنا کر حکومت کرتا ہے!... برتر بنا کر حکومت کرنے میں اسے دوہرا فائدہ ہے.... یعنی عورت پر دوہری ذمہ داریاں عائد ہو جاتی ہیں... وہ خود انہیں سے برتر بنا کر گھروں کی چار دیواریوں سے نکال لاتا ہے... انہیں اپنے دوش بہ دوش کام کرنے کا موقع دیتا ہے... رہ گئے چار دیواریوں والے فرائض تو عورتیں انہیں عادتاً انجام دیتی ہیں! ... یعنی مرد عورتوں کے دوش بہ دوش بچوں کو دودھ نہیں پلاتا۔ عورتوں کے دوش بہ دوش گھر کی صفائی نہیں کرتا ... بچوں کے کپڑے نہیں دھوتا... اس وقت وہ پلنگ پر لیٹ کر چین کی بنسی بجاتا ہے یا دوستوں کو سمیٹ کر تاش کھیلنے لگتا ہے... سبحان اللہ! ... عورت اسی لیے مرد سے برتر ہے کہ اس نے دوہری ذمہ داریاں سمیٹ رکھی ہیں! یہی وجہ ہے کہ مردوں کے مقابلے میں عورتیں نہ تو گنجی ہوتی ہیں اور نہ توندیں رکھتی ہیں۔ سبحان اللہ بلکہ ماشاء اللہ۔

ع نمبر 14

عاشقوں کے آنسو جمع کرو...... وہ ہیروں سے زیادہ قیمتی ہوتے ہیں۔ مگر آنسو جمع کرنے سے پہلے اچھی طرح اطمینان کر لو کہ کہیں عاشق نزلے میں تو مبتلا نہیں ہے۔

ع نمبر 18

بڑھتی ہوئی عمر بہترین استاد ہوتی ہے لیکن اسے اپنے اوپر اس طرح نہ طاری کرنا چاہیے کہ آدمی سچ مچ بوڑھا معلوم ہونے لگے!

ج 105

خوبصورت لڑکیوں کے سرپرستوں کو تنگ نظر نہ ہونا چاہیے!

ج 105

اپنے ماحول سے نکل بھاگنے کی خواہش جب تک زندہ ہے کوئی آدمی تنہا نہیں!

ج 105

عمران: فقیروں سے دل لگی ہنسی کھیل نہیں ہے... آپ نے میری سیوا کی ہے اس لیے جو دل چاہے پوچھ لیجیے۔ سٹے کا نمبر.... لاٹری نمبر، کسی معمے کا صحیح حل ... مقدمے میں کامیابی ہوگی یا ناکامی ... شوہر کالا ہوگا یا گورا ... وغیرہ وغیرہ ....

لڑکی: ہاتھ دیکھنا بھی جانتے ہیں آپ؟

عمران: ہاں ....جی ہاں۔

لڑکی: ذرا میرا ہاتھ تو دیکھیے۔

عمران: لائیے۔

وہ دو تین منٹ اس کا ہاتھ الٹ پلٹ کر دیکھتا رہا۔ پھر اسے چھوڑ کر اپنا گال کھجانے لگا۔

لڑکی: کچھ بتایا نہیں آپ نے؟

عمران: آہا! کیا عرض کروں... سب ٹھیک ہے... آپ کے ہاتھ بہت خوب صورت ہیں۔ مگر یہ ناخن... آپ نے ناخن بڑھا کر اپنی انگلیوں پر ظلم کیا ہے... قیامت کے دن ان میں کیلیں ٹھونک دی جائیں گی... علمائے کرام یہی کہتے ہیں۔

ع نمبر 8

میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ تم کتے ہو بلکہ کتا بھی تم سے برتر ہے۔ کیوں کہ وہ اس گھر کا بدخواہ نہیں ہوتا جس میں رہتا ہے۔ چاہے اس گھر کا کوئی فرد اس پر دن رات پتھر ہی کیوں نہ برساتا رہتا ہو۔

ع نمبر 23

تنہا تو صرف وہ ہے جو اپنے ماحول سے ذہنی فرار بھی نہیں کر سکتا!

ج 105

آدمی آدمی کا محتاج ہے چاہے وہ اسے ایک آنکھ نہ بھاتا ہو۔

ج 105

عورت اور زندگی سے پیار کرنا گناہ تو نہیں۔ گناہ ہوتا تو آدم کے پہلو سے بی حوا کیوں برآمد ہوتیں!

ج 105

ہمیں ہر حال میں ہنستے مسکراتے رہنا چاہیئے!

ج 105

جہاں حکمت عملی سے کام بنتا ہو‘ وہاں طاقت نا صرف کرنی چاہیئے بلکہ اسے کسی دوسرے موقعہ کے لیے احتیاط سے رکھنا چاہیئے۔

ع نمبر 18

نہیں دوست! میں دوستوں کے لیے جان بھی دے سکتا ہوں۔ یہ صرف چائے ہے‘ دنیاوی دولت‘ جو معدے میں پہنچنے کے بعد ہضم ہو جاتی ہے۔

ع نمبر 18

گدھوں کو اپنے گدھے پن کا احساس ہو جائے تو اسے قرب قیامت کی دلیل سمجھنا چاہیئے۔

ع نمبر 21

اب محکمہ انسداد جرائم کو شہر بھر کے عاشقوں اور رقیبوں کی فہرست بنانی پڑے گی! زمانہ بہت ترقی کر گیا ہے۔ اگلے وقتوں کے عاشق ٹھنڈی آہیں بھرا کرتے تھے۔ پڑھے لکھے ہوئے تو دو چار شعر کہہ لیے۔ رقیبوں سے شکایت ہوئی تو دبی زبان سے محبوب کی بے رخی کا شکوہ کر لیا۔ بات ختم! مگر آج کے عاشق رقابت میں چھرا مار دیتے ہیں۔ لہٰذا اب پولیس کے لیے ایک نیا مسئلہ پیدا ہو گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں کچھ نئے قوانین بھی وضع کرنے پڑیں! مثلاً! عشاق کو قانوناً مجبور کیا جائے کہ وہ اپنے علاقہ کے تھانوں میں اپنے رقیبوں کے نام رجسٹر کرائیں۔

ع نمبر 13

اگر عورتوں کی زبانیں کھینچ لی جائیں تو وہ دیویاں کہلائیں گی!

ج 105

دھوکہ وہی کھاتا ہے جسے حقیقت کی تلاش ہو۔ کیونکہ حقیقت اسی دھوکے کو کہتے ہیں۔ جس پر سے پردہ نہ اٹھ سکے!

ج 105

مجھے ہر وہ آدمی پسند ہے، جو شکست کھا جانے کے باوجود بھی شکست تسلیم نہ کرے!

ج 105

نیند کے لیے تخت اور تختہ دونوں برابر ہیں... عورت ہی کی طرح نیند کا بھی وقت معین نہیں... کچھ پتہ نہیں کب آئے اور... کب اڑ جائے گی!

ج 105

عورت کو اللہ پاک نے مرد سے برتر بنایا ہے اس کا کھلا ہوا ثبوت یہ ہے کہ اسے مردوں کے مقابلہ میں بہتری سہولتیں نصیب ہیں۔ مثلاً اسے روزانہ صبح اٹھ کر مردوں کی طرح شیو نہیں کرنا پڑتی! سبحان اللہ! اس نے عورتوں کو فارغ البالی عطا کر دی ہے! اور جناب تیسرا سائنفک ثبوت یہ ہے کہ مرد ایک اور ایک دو نہیں ہو سکتا مگر عورت ایک اور ایک تین ہو جاتی ہے... چار ہو جاتی ہے... پانچ ہو جاتی ہے۔ علیٰ ہذا القیاس رُوس میں تو ایک درجن اور ڈیڑھ درجن ہو جانے والی عورتوں کو انعامات ملتے ہیں۔ خطابات ملتے ہیں۔ اس لیے جناب...... عورت مرد سے برتر ہے۔

ع نمبر 14

آدمیت کی معراج کیا ہے؟ آدمی کی معراج یہ ہے کہ آدمی خود اپنے ہی مسائل حل کرے.... اگر اس نے مصنوعی سیارہ فضا میں پھینکنے کی بجائے سرطان کا کامیاب علاج دریافت کر لیا

ہوتا تو میں سمجھتا ہوں کہ اب اس کے قدم اس راہ کی طرف اٹھ گئے ہیں جس کی انتہا اس کی معراج ہوگی! اگر اس نے چاند تک پہنچنے کی اسکیم بنانے کے بجائے زمین کے ہنگامے پرامن طور پر فرو کرنے کا کوئی ذریعہ دریافت کرلیا ہوتا تو میں سمجھتا کہ اب یہ سمندر پیاسا نہیں رہے گا بلکہ خود کو بھی سیراب کرنے کی صلاحیت اس میں پیدا ہو چکی ہے۔ ہزار ہا سال چاہئیں اس کے لیے شمسی ہزار ہا سال۔

ع نمبر 25

معمولات میں تبدیلی ہی کا نام تفریح ہے.....!

ج 106

گورکن قبر کھودتے کھودتے سوچ میں گم ہو جاتا ہے کہ آخر عورتوں نے اس پیشے کو کیوں نہیں اپنایا۔ سمجھ میں نہیں آتا تو قبر ادھوری چھوڑ کر یونیورسٹی کی راہ لیتا ہے۔!

ج 106

عورت صرف دلچسپی چاہتی ہے۔

ج 106

سچائی کہاں ہے محترمہ..... بس تلاش جاری رکھیے۔

ج 106

وہ لوگ جو حیرت کے سمندر میں غوطہ کھا رہے ہوں، مسکراہٹوں کے ساحل کی طرف آنکھ اٹھا کر بھی نہیں دیکھتے!

ج 106

تخریب پسندی کی بنیاد جھلاہٹ ہی پر ہوتی ہے۔

ع نمبر 23

دنیا میں بہتیرے آدمی، آدمیوں سے جانوروں کا سا برتاؤ کرتے ہیں۔

ع نمبر 23

یہ اس جنگ کی خبر ہے جب بیٹا باپ کو مارے گا... باپ بیٹے کی ٹانگیں چیر کر پھینک دے گا۔ بھائی بھائی کا گلا گھونٹے گا... اور سنو گے؟ یہ جنگ نہیں ہوگی خدا کا قہر ہوگا۔ یہ بھی کوئی جنگ ہوئی کہ ایک جسم سے تعلق رکھنے والے دو ہاتھ ایک دوسرے کو نوچ کر رکھ دیں۔ کیا یہ خدا کا قہر نہیں ہوگا اگر تم اپنا سارا جسم اپنے ہی دانتوں سے لہولہان کر ڈالو۔

ع نمبر 23

جب لوگ تم پر ہنسنے لگیں.... تو تم سمجھ لو کہ تم ان سب کو نیچا دکھا سکتے ہو۔

ع نمبر 17

آدمی کتنا پیاسا ہے اور کس طرح اس کی پیاس بڑھتی رہتی ہے... اور کس طرح وہ خوارج میں اپنے لیے تسکین اور آسودگی تلاش کرتا ہے.... مگر کیا کبھی اسے تسکین نصیب ہوتی ہے.... کبھی آسودگی ملتی ہے.... مگر وہ بالکل کسی سمندر ہی کی طرح موج در موج آگے بڑھتا چلا جاتا ہے۔ کبھی چٹانوں کو کاٹتا ہے اور کبھی پہاڑوں میں رخنے کر کے ان کے پرخچے اڑا دیتا ہے... اپنی بے چینی کی وجہ وہ خود ہے! اور اپنی تسکین کا سامان بھی اپنے ہی دامن میں رکھتا ہے۔ مگر وہ دوسروں کی پیاس تو بجھا دیتا ہے خود اپنی پیاس بجھانے کا سلیقہ نہیں رکھتا... تم اسے پیاسا سمندر کہہ سکتی ہو بے بی، جو پانی ہی پانی رکھنے کے باوجود بھی ازل سے پیاسا ہے۔ اور اس وقت تک پیاسا ہی رہے گا جب تک کہ اسے اپنا عرفان نہ ہو جائے لیکن ابھی اس میں ہزار ہا سال لگیں گے۔ ابھی تو وہ بچوں کی طرح گھٹنوں چل رہا ہے.... ابھی تو وہ چاند میں جانے کی باتیں کر رہا

ہے۔ اس کی ذہنیت اور سوجھ بوجھ اس بچے سے زیادہ نہیں ہے جو ماں کی گود میں چاند کے لیے ہمکتا ہے... وہ مصنوعی سیارے اڑا کر اسی طرح خوش ہوتا ہے جیسے بچے صابن کے بلبلے اڑا کر مسرور ہوتے ہیں اور ایک دوسرے سے شرط بدتے ہیں کہ دیکھیں کس کا بلبلا دیر تک فنا نہیں ہوتا اور پھر اس طرح شیخیاں بگھارتے ہیں جیسے انہوں نے کوئی بہت بڑا کارنامہ انجام دیا ہو! مگر بے بی... چاند کا سفر آدمیت کی معراج نہیں ہے... چاند کی باتیں تو ایسی ہی ہیں جیسے کوئی اپنے اصل کام سے اکتا جائے اور بیٹھ کر گنگنانا شروع کردے۔

ع نمبر 25

کتے کہاں نہیں ہوتے! بس انہیں پہچاننا سیکھو۔

ع نمبر 32

ساری دلچسپیاں اپنی ہی ذات میں تلاش کرنے کی عادت ڈالو! تمہیں کسی دوسرے سے کبھی کوئی سکھ نہ مل سکے گا۔

ج 106

دنیا کی ہر عورت اس لیے نہیں ہوتی کہ تباہ کردی جائے۔

ج 106

یہ دنیا فریب نظر ہے......

ج 106

سکون صرف ماں کی گود میں ملتا ہے...... یا بچے کو گود میں لے کر...... بہت تھوڑا ہے سکون کا وقفہ۔

ج 106

موت تو میرے لیے صرف ایک تبدیلی کا نام ہے!

ج 106

سنو! دنیا کے سارے ازموں کو دفن کر دو۔ سب بکواس ہیں۔ ملک وقوم کی قیادت کا حق صرف انہیں حاصل ہونا چاہیئے جو اس کے لیے سر دھڑ کی بازی لگاتے ہیں۔ جو ماؤں کا سہاگ بچانے کے لیے چھاتی پر گولیاں کھاتے ہیں۔ انہیں اپنی تجوریاں بھرنے کی فکر نہیں ہوتی۔ ان کی زندگیاں تو ہوتی ہی اسی لیے ہیں کہ ملک کی بنیادوں کو اپنے خون سے سینچیں۔

ع نمبر 34

احساسِ کمتری شخصیت کے لیے سم قاتل سے کم نہیں ہوتا۔

ع نمبر 25

آدمی ازل سے احمق رہا ہے اور ابد تک انشاءاللہ احمق ہی رہے گا۔

ع نمبر 25

آدمی ابھی اتنا مجبور ہے! وہ کبھی ان بلندیوں پر جا پہنچتا ہے جہاں فرشتوں کی سانس بھی رکنے لگے اور کبھی ایسی پستی میں گرتا ہے جہاں خود اسے اپنے وجود سے انکار کر دینا پڑتا ہے۔ یعنی وہ خود کو پہچان بھی نہیں پاتا۔

ع نمبر 25

یہ سائنٹفک فراڈ کا دور ہے۔

ع نمبر 25

عجیب بات ہے کہ جب میرا کوئی ناول بہت پسند کیا جاتا ہے تو مجھ سے "ادب" کی خدمت کرنے کی فرمائش ضرور کی جاتی ہے۔

بھائی آپ تو مجھے صرف اردو کی خدمت کرنے دیجیے (اس کے باوجود کہ (صرف ونحو) کی غلطیاں مجھ سے سرزد ہوتی ہوں گی)

آپ میری اس وقت کی خوشی کا اندازہ نہیں لگا سکتے جب مجھے کسی سندھی یا بنگالی بھائی کا خط بہ ایں مضمون ملتا ہے کہ محض آپ کی کتابیں پڑھنے کے شوق میں اردو پڑھ رہا ہوں۔ پڑھ کر سنانے والوں کا احسان کہاں تک لیا جائے۔!

اب بتایئے میں ''ادب'' کی خدمت کروں یا میرے لیے ''اردو'' ہی کی خدمت مناسب ہوگی۔ ویسے اپنے نظریات کے مطابق میں ادب کی بھی خدمت کر رہا ہوں اور سوسائٹی کی بھی۔ اور میری اس خدمت کا انداز نہ تو بدلتے ہوئے حالات سے متاثر ہوتا ہے اور نہ وقتی مصلحتوں کے تحت کوئی دوسری شکل اختیار کر سکتا ہے۔ بہر حال میں قانون کا احترام کرنا سکھاتا ہوں۔ کچھ لوگ ''ادب'' میں میرے مقام کی بات شروع کر دیتے ہیں۔ اس سلسلے میں عرض ہے کہ آپ کی نظروں میں میرا کوئی نہ کوئی مقام ضرور ہے ورنہ آپ کو اس کی فکر ہرگز نہ ہوتی۔

ویسے اگر آپ ''ادب میں مقام'' کے سلسلے میں مجھ سے کچھ سننا چاہتے ہیں تو سنیئے۔ اساطیری کہانیوں سے لے کر مجھ حقیر کی کہانیوں تک آپ کو ایک بھی ایسی کہانی نہ ملے گی جس میں جرائم نہ ہوں.... اور آج بھی آپ جسے بہت اونچے قسم کے ادب کا درجہ دیتے ہیں اور جس کا ترجمہ دنیا کی دوسری زبانوں میں بھی آئے دن ہوتا رہتا ہے کیا جرائم کے تذکروں سے پاک ہوتا ہے؟ کیا اس کے مغرب رساں پہلوؤں پر ہمارے نقاد کی نظر پڑتی ہے؟ اگر نہیں۔ تو کیوں؟

107 کے پیش رس سے لیا گیا ج

ایک ادیب جو ساری دنیا کو ادب اور سلیقہ سکھانے کا دعوی رکھتا ہے۔ اسے خود بھی تھوڑا بہت سلیقہ ہونا چاہیئے۔

ع نمبر 24

بکریوں کے پیچھے بھاگتے پھرو تو ایک بات بھی ہے' کیوں کہ وہ دودھ دیتی ہیں۔ بھلا یہ محبوبائیں سال میں کتنے انڈے دے ڈالتی ہوں گی۔

ع نمبر 37

بھونکنے والے کتے پر پتھر چلاؤ تو وہ اور زیادہ شور مچائے گا .... پھر کیوں نہ پتھر کی بجائے کوئی ایسی چیز پھینکی جائے جو اس کے حلق سے اتر سکے!

ج نمبر 87

کتابوں کے چور میری نظروں میں قابل احترام ہیں کیوں کہ ان پڑھ اور جاہل کتابیں نہیں چرایا کرتے۔

ع نمبر 34

آدمی کو ابھی اپنا عرفان نہیں ہوا' جس دن بھی ہوا وہ احمق ہو جائیگا اور یہی اس کی معراج ہوگی۔

ع نمبر 25

میں بگڑا ہوا گھوڑا نہیں ہوں کہ رام ہو جاؤنگا آدمی ہوں اور آدمی کو سمجھنا بہت مشکل کام ہے۔

ع نمبر 36

آدمی خدا ترس نہیں ہے؟ بکواس ہے! بس وہ ایک ایسا درندہ ہے جو ننگا رہنا پسند نہیں کرتا۔ اپنی درندگی پر نت نئے غلاف چڑھاتا رہتا ہے۔ انہیں میں ایک ''انسانیت'' بھی ہے۔

ع نمبر 34

اگر تمہارا باپ بھی کوئی جرم کرلے تو یہ قطعی بھول جاؤ گے کہ تم اس کے نطفے سے ہو... تم قانون کے محافظ ہو۔

ع نمبر 31

خوامخواہ کتے کو بھی نہ مارو۔

ع نمبر30

اگر تمہیں دنیا میں کبھی کوئی ہوش مند آدمی مل جائے تو مجھے اس کے پتے سے ضرور آگاہ کرنا۔ میں اسے کسی عجائب گھر میں رکھوادوں گا! تاکہ دیوانے اسے دیکھ کر محظوظ ہوسکیں۔

ع نمبر28

دولت زمین سے نہیں اگتی! قوتِ بازو سے حاصل کی جاتی ہے!

107 ج

شکار کھیلنا بڑی خوبصورت درندگی ہے۔

107 ج

ہمارے یہاں شادی کو بکواس نہیں کہتے! بلکہ بکواس تو شادی کے بعد شروع ہوتی ہے۔

107 ج

بہت زیادہ تیزی دکھانے میں ٹھوکر کھانے کا خدشہ ہے۔

107 ج

اگر تم کسی عورت کے ساتھ بند کردیے جاؤ تو بند کرنے والوں کو دعائے خیر کے ساتھ یاد کرو کیوں کہ عورت بھی موت کی طرح بار بار نہیں آتی۔

ع نمبر37

گدھے کبھی گدھے پن کی حدود سے تجاوز کرنے کی کوشش نہیں کرتے! لیکن آدمی خواہ مخواہ اپنا وقت برباد کرتا رہتا ہے۔

ع نمبر28

اے راستے سے بھٹکے ہوئے انسان..... اس معبد کے درو دیوار سے تجھے دوستی کی بو آئے گی۔ آ کہ تیرے گرد اندھیرے جال بن رہے ہیں۔ آ کہ تاریکیاں تجھے ہڑپ کرنے کیلئے بڑھ رہی ہیں۔ آ کہ یہاں روشنی تیری منتظر ہے۔

ع نمبر 38

آدمی خود کو اشرف المخلوقات کہتا ہے مگر میرا خیال ہے کہ وہ گدھوں سے زیادہ اونچا نہیں ہے! بلکہ میرا خیال ہے کہ گدھوں سے بھی بدتر ہے۔

ع نمبر 28

سڈول جسم اور خوبصورت خدوخال سب فریب ہیں۔

ع نمبر 26

دنیا کی ہر عورت خطرناک ہے۔

ج 107

احمق، احمق ہی کہلائے گا۔ دولتمندی سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔

ج 107

فضول باتوں میں نہ پڑو..... دنگل ہو کہ قلم کی بازی گری سب پیٹ کے لیے ہے۔

108 کے پیشرس سے۔ ج

عورت کے بغیر مرد نامکمل ہے۔

ج 108

دفینوں کی تلاش میں آئے ہو..... مگر کس کام کے وہ دفینے جو تمہارا پیٹ بھی نہ بھر سکیں۔ تمہاری کشتی تباہ ہو چکی اس لیے واپسی کا سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ جاؤ .... سونے اور چاندی کے ڈلے کھود نکالو اور انہیں اس طرح چبا کر نگلو کہ وہ ہضم ہو کر جزو بدن ہو جائیں۔ کر سکو گے ایسا؟ نہیں! تو پھر ایڑیاں رگڑ کر مرنا پڑے گا۔ یہاں تم ایک من سونے کے عوض ایک مٹھی یا ایک پیالہ دودھ بھی نہ حاصل کر سکو گے۔

ع نمبر 38

اگر میں اس سڑک پر ناچنا شروع کر دوں تو مجھے دیوانہ کہو گے لیکن لاشوں پر ناچنے والے سورما کہلاتے ہیں انہیں اعزاز ملتے ہیں ان کی چھاتیاں تمغوں سے سجائی جاتی ہیں۔

ع نمبر 28

میری ہنسی بھی کراہ ہے اُداسی میرا اوڑھنا بچھونا ہے۔ جب اداس نہیں ہوتا تب بھی اداس ہی رہنے کو دل چاہتا ہے۔

ع نمبر 40

آدمی سنجیدہ ہو کر کیا کرے جبکہ وہ جانتا ہے کہ ایک دن اسے اپنی سنجیدگی سمیت دفن ہو جانا پڑے گا۔

ع نمبر 26

تمہارے ملک کی یہی بات مجھے پسند ہے۔ ہر آدمی شراب نہیں پیتا! نشے کو نشہ ہی رہنے دیا ہے..... پیاس نہیں بنایا ہے۔

ج 108

میں دنیا کی کسی لڑکی پر اعتماد نہیں کر سکتا!

ج 108

مجھے لڑکیوں کی مسکراہٹ زہر لگتی ہے اگر معدہ خالی ہو۔

ج 108

عورت سب کچھ کرسکتی ہے! جس وقت جہاں چاہے پہنچ سکتی ہے۔ بعض اوقات تو قبروں میں گھس کر مردے اکھاڑ لاتی ہیں اور ان سے اس قدر باتیں کرتی ہیں کہ وہ بے ساختہ بول پڑتے ہیں خدارا اب خاموش رہو ورنہ ہم پاگل ہو کر زندہ ہو جائیں گے۔

ج 108

اس وقت ضرورت ہے کہ ہم کفایت شعار بنیں۔ اگر ہمیں ایک ایسی قوم بننا ہے جو دنیا کی بڑی سے بڑی قوت کے سامنے سرنگوں نہ ہو سکے تو ہمیں اپنی قوت بازو پر بھروسا کرنا ہی پڑے گا اور موجودہ دور میں یہ ''قوت بازو'' ڈنڈ بیٹھک میں مضمر نہیں بلکہ اقتصادی استحکام سے حاصل ہوتی ہے اور اقتصادی استحکام کے لیے ضروری ہے کہ ہم کفایت شعاری سے کام لے کر قومی ضروریات کے لیے پیسہ بچائیں۔ قوم کے ہر فرد کے بچائے ہوئے پچیس پیسے کسی بہت بڑی انڈسٹری کو جنم دے سکتے ہیں۔

پیشرس ع نمبر 44

آدمیت کی معراج صرف بانٹ کر کھانے میں مضمر ہے۔

ع نمبر 46

یہ ایٹم کا زمانہ ہے۔ وہ زمانہ لد گیا جب شہرت لوگوں کے پیچھے دوڑتی تھی اب شہرت کے پیچھے دوڑنا پڑتا ہے۔

ع نمبر 42

اصل چیز محنت ہے' دولت نہیں!

ع نمبر 38

خوب صورتی پر جان دینا آدمی کی فطرتِ ثانیہ بن چکی ہے۔

ع نمبر 26

عورت مردہ ہو یا زندہ بہر حال عورت ہے............ بلکہ وہ تو اپنے مردہ ہونے کو کسی طرح تسلیم ہی نہیں کرتی...

ج 108

لاعلمی میری جنت ہے!

ج 109

بڑھاپا بُری چیز ہے.....

ج 109

بے صبری اچھی چیز نہیں۔

ج 109

کبھی کبھی قانون کی حفاظت کے لیے قانون سے انحراف بھی کرنا پڑتا ہے۔

ع نمبر 43

ہمارے ہاں تو کتابوں کو ترازو میں تول کر بہترین کتابیں منتخب کی جاتی ہیں اور ان پر انعامات دیے جاتے ہیں۔ عموماً سب سے زیادہ ضخیم کتاب کا مصنف انعام پاتا ہے اگر کوئی اللہ کا بندہ اعتراض کر بیٹھے تو کہا جاتا ہے کہ اتنی موٹی کتاب لکھ دی ہے بے چارے نے کہیں نہ کہیں تو کوئی قابلِ انعام بات قلم سے نکل گئی ہوگی۔

ع نمبر 43

سونا ہی تو عبادت ہے میری..... اتنی دیر گناہوں سے بچا رہتا ہوں۔ کیا یہ عبادت نہیں ہے۔

ع نمبر 47

دنیا کی زیادہ تر آبادی کتوں ہی کی طرح زندگی بسر کرنے پر مجبور ہے کچھ کو پالتو بنالیا جاتا ہے اور کچھ آزادی سے کم از کم بھونک تو سکتے ہیں۔

ع نمبر 47

ساری دنیا پاگل خانہ ہے۔

ع نمبر 38

وہ بہت پیارے اور سچے لوگ تھے! کھل کر نفرت کرتے تھے اور پاگلوں کی طرح ایک دوسرے کو چاہتے تھے۔ اب تو کچھ نہیں رہا... نہ نفرت نہ محبت ... لوگ مصلحتاً ایک دوسرے کو برداشت کرتے ہیں اور زندگی بھر اداکاری کرتے رہتے ہیں!

ج 109

لالچ خواہ کسی قسم کا ہو بُری بلا ہے۔

110 کے پیشرس سے

ہر فرد کو سوچنا چاہیئے کہ اس کی کسی بھی غیر ذمہ دارانہ حرکت کا اثر خود اسی کی ذات تک محدود نہیں رہتا بلکہ اس کے متعلقین بھی اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں اگر ایک فرد وطن دشمنی کے الزام میں پکڑا جاتا ہے تو اس کی آئندہ نسلیں تک بدنامی کے اس پشتارے سے پیچھا نہیں چھڑا سکتیں۔

ج110 کے پیشرس سے

بڑھاپے میں اعصاب کمزور ہوجاتے ہیں اور عشق ایک کمزوری ہی کا نام ہے۔

ج نمبر 43

ہر معاملے میں کود پڑنا افیون کھا کر سو رہنے سے بھی بدتر ہے۔

ع نمبر 38

آدمیت بڑی چیز ہے ڈارلنگ .... اگر یہ ضائع ہوئی تو پھر آدمی کو کنگال ہی سمجھو۔

ع نمبر 42

خوب صورتی دور سے دیکھنے کی چیز ہے۔

ع نمبر 48

فلسفی احمق ہی تو ہوتے ہیں۔ آم نہیں کھاتے درختوں کا شمار کرنے لگتے ہیں۔

ع نمبر 49

دنیا کے سارے فتنوں کی جڑ تو عقل ہے۔

ع نمبر 49

آنکھیں کھلی رکھئے کہیں آپ کو کوئی دھوکا نہ دے جائے۔

110 کے پیشرس سے

ہر ایسی افواہ کو ذات سے آگے نہ بڑھنے دیجیئے جس میں صوبائی عصبیت کے جراثیم پائے جاتے ہیں....

110 کے پیشرس سے

ترقی پسند قوموں کا رہن سہن اپنائے بغیر ترقی ناممکن ہے۔

110 ج

ہنس ہنس کے مرجانا ہماری معراج ہے۔

110 ج

مشرقیوں کے اعمال ہی فلسفیانہ ہوتے ہیں اور مغرب میں افکار کے علاوہ اور کچھ نہیں رہا....

ع نمبر 49

پاکیزگی اور سریت ہی کا نام حسن ہے۔

ع نمبر 49

کہانیاں لکھنے والے کسی موضوع پر اتھارٹی نہیں ہوا کرتے' ان کا کام محض امکانات کا جائزہ لینا ہے۔

پیشرس ع نمبر 50

جب تک برائی کا پہلو سامنے نہ آئے میں ہر آدمی کو اچھا ہی سمجھتے رہنے کا قائل ہوں۔

ع نمبر 50

ہماری طرف کی لڑکیاں فلمی ہیروئنوں کی نقالی کر کے اپنے اوپر قلعی کرتی ہیں اور بے حد شائستہ اور رومینٹک نظر آتی ہیں لیکن جہاں غصہ آیا قلعی اتر گئی پھر ایسے کفن پھاڑ نغمے الاپتی ہیں کہ شیطان کے کان بھی بہرے ہو جائیں۔

ع نمبر 50

پوری نئی نسل غیر شعوری طور پر مایوسی کا شکار ہے اس میں امیر غریب کی تخصیص نہیں ..... اس کے لاشعور پر ایٹمی تباہ کاریوں کی پرچھائیاں پڑ رہی ہیں جس کی بناء پر افزائش نسل کی جبلت بے پناہ طور پر ابھر آئی ہے اور اسے بے راہ روی کی طرف لے جا رہی ہے۔

صفحہ 49/50 — 110 ج

زندگی اگر سرمستیوں میں گزر جائے تو رائیگاں نہیں ہے۔

ج 110

سوجھ بوجھ تو زندگی کو جہنم بنا دیتی ہے!

ج 110

ہماری ایجادات کا سلسلہ بھی بہت طویل ہے۔ ''مثنوی زہر عشق'' سے لے کر ''میرا جی کی شاعری'' تک ہم نے بھی کشتوں کے پشتے لگا دیے ہیں! اور ''چکنے گھڑے'' کا محاورہ بھی ہماری ہی ایجاد ہے۔ باتیں بنانے کی مشین ہم خود بن کر رہ گئے ہیں۔ کہو تو ابھی تمہیں مکھن کے ڈھیر میں دفن کر دوں۔

ع نمبر 50

آدمی کو آدمی سے تکلف نہ کرنا چاہیئے' جانور اس وقت تک نہیں ملتے جب تک ان کا آپس میں تعارف نہ ہو۔

ع نمبر 51

ہم دنیا کو خوش حال دیکھنا چاہتے ہیں ہم امن کے پیامبر ہیں ... ہم جنگ سے نفرت کرتے ہیں۔ ہمارا پیغام محبت ہے۔

ع نمبر 51

میں چاہتا ہوں کہ ساری دنیا میری ہی طرح پاگل ہو جائے۔ زمین کی حد بندیوں کی طرف سے آدمی کا ذہن ہٹ جانا چاہیئے! بس زندگی اور وقت اور کچھ نہیں۔ آدمی کا جسم اس کا وطن ہے' اور ہر آدمی کو ایک دوسرے کے وطن کی حفاظت کرنی چاہیئے زمین کی حد بندی کر کے اس کی حفاظت کرنے والے خون کی ہولی کھیلتے ہیں۔

ع نمبر 51

پوری دنیا خوف اور اکتاہٹ کی شکار ہوگئی ہے .... اب دیکھنا یہ ہے کہ وہ آگ کے سمندر میں چھلانگ لگاتی ہے یا نئے گلزار تعمیر کرتی ہے۔

ج 110

ثقافت کے نام پر ہزار ہا لعنتیں اپنے اوپر مسلط کر رکھی ہیں۔

ج 111

اگر سارے مسلمان دو دو اور چار چار کر کے بیٹھ جائیں گے تو بے چاری طوائفوں کا کیا ہوگا .... آخر انہیں بھی تو خدا ہی رزق دیتا ہے۔

ج 111

میرے کرداروں پر ناول لکھنے والوں کی تعداد تو اب گنڈے تعویز کی دسترس سے بھی نکل کر "تائی فون" اور "ڈی ڈی ٹی" کی حدود میں داخل ہوگئی ہے۔

پیشرس، ع نمبر 54 سے

غصہ بہت بری چیز ہے۔ کون کتنے پانی میں ہے؟ یہ دیکھنا ہو تو غصہ دلا دو۔

ع نمبر 50

ہر نسل اور ہر قوم کی عورت۔ صرف عورت ہوتی ہے۔

ع نمبر 56

وقتی حالات یا کسی قسم کی بددلی کی بناء پر غیر ملکی ایجنٹ بن جانا میری نظروں میں ایسا ہی ہے جیسے اپنے ہی کسی عضو پر جارحانہ حملہ کیا جائے۔ ایسی آزمائشوں کے وقت اس سپاہی کو ذہن میں رکھنا چاہیے' جو وطن عزیز کی حفاظت کے لیے گولیوں کی بوچھاڑ کے سامنے سینہ سپر ہو جاتا ہے۔

پیشرس ع نمبر 60 سے

عشق کے بغیر زندگی بے کار ہے۔

ع نمبر 52

اگر کم تنخواہ پر گزارا نہ ہو تو اوپر کی آمدنی پر قناعت کیجئے دوسری ملازمت کی اجازت قانون نہیں دیتا۔!

ج 111

میں ایک ہی بیوی کے شوہروں کا جانی دشمن ہوں۔

ج 111

بیویاں موقع محل نہیں دیکھتیں۔

ج 111

ایسا کوئی عمل نہیں جس کے ذریعے روحوں کو طلب کیا جا سکے! عالم اجسام سے رشتہ ٹوٹنے کے بعد ارواح پوری طرح احکامِ الٰہی کے تابع ہوتی ہیں۔

ج 111

ہر شعبہ زندگی میں ہماری قوم کا کردار یہی بن گیا ہے کہ "دکھ سہیں بی فاختہ اور کوے انڈے کھائیں۔

پیشرس ع نمبر 56 سے

ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم دنیا کو دیکھیں۔ کیا اتنا ہی کافی نہیں کہ دنیا ہمیں دیکھ رہی ہے۔

ع نمبر 58

خدا کے وجود کا منکر ہونا ہی اس بات کی دلیل ہے کہ تمہیں ہر کس و ناکس پر اپنے باپ ہونے کا شبہ ہو۔

ع نمبر 58

دل توڑنا کعبے کو ڈھا دینے کے مترادف ہے۔

ع نمبر 58

یہی اس کے اشرف ہونے کی علامت ہے کہ جب اٹھتا ہے تو اتنا اٹھتا ہے کہ ولی ہو جاتا ہے اور گرتا ہے تو اتنا گرتا ہے کہ کوئی انتہا نہیں رہتی۔

ع نمبر 116

ہم اردو کے اخبار نہیں دیکھتے۔
دیکھا کیجئے ایمان تازہ ہوتا ہے.... ایک صفحے پر درسِ قرآن پڑھیئے اور دوسرے صفحہ پر سینما کی ننگی چھپکلیوں کی تصویر بھی دیکھ لیجیے۔

ع نمبر 58

پیش گوئی والا بزنس کم پڑھے لکھے ہی لوگوں کی وجہ سے زیادہ کامیاب ہوتا ہے۔

ج 111

دردمندی کا نام عورت ہے!

ج 111

آج کل جنس تبدیل ہوتے دیر نہیں لگتی جہاں کسی مرد پر تفکرات کا دورہ پڑا اس کی جنس کھٹ سے بدل جاتی ہے!

ج 111

مرد کی سب سے بڑی کمزوری .... جب کوئی عورت کسی مرد کے حسن کی تعریف کرتی ہے تو وہ خوشی سے مارے الو کا پٹھا ہو جاتا ہے!

ج 111

ناموں میں کیا رکھا ہے .... جب اعمال مسلمانوں کے سے نہیں تو ناموں کو کیوں بدنام کیا جائے .... محمد علی نام رکھ کر غلاظت کے ڈھیر پر کیوں بیٹھوں۔

ع نمبر 58

عورت تو ساری دنیا کی دل نوازی کا باعث ہے' پیدا ہوتے ہی اس نے مرد کو جہنم کا مستحق بنا دیا تھا۔

ع نمبر 63

چالاک بن کر کیا کروں گی۔ ضرورت ہی کیا ہے۔ سیدھے سادے آدمیوں کی طرح زندہ رہو اور خوشیاں سمیٹتے رہو۔ دوسروں کی چالاکی ہمیں اسی لیے دل گرفتہ کر دیتی ہے کہ ہماری چالاکی مات کھا گئی۔

ع نمبر 66

آدمی کچھ بھی نہیں ہے۔ اتنا احمق ہے کہ خود ہی اپنی ہلاکت کے اسباب کرتا رہتا ہے۔

ع نمبر 67

احمق پاگل نہیں ہوا کرتے .... پاگل پن تو سمجھداروں کا مقدر ہے۔

ع نمبر 61

اپنے حسن کی تعریف کسی عورت کی زبان سے سن کر کبھی کبھی تو بالکل پاگل ہو جاتا ہوں۔

ج 111

آپ کو ایسے مجرم بھی ملیں گے۔ جو اپنے جرائم کو جرائم نہیں سمجھتے۔ ملک و قوم کی شہ رگ پر نشتر زنی بھی کرتے ہیں اور نیک نام بھی بنتے رہتے ہیں "بڑے آدمی" کہلاتے ہیں حالانکہ بڑا آدمی صرف وہ ہے جس کی تگ و دو صرف اپنی ہی ذات کے لیے نہیں ہوگی اگر مال دار ہوتا ہے تو خود کو ایک "چوکیدار" سے زیادہ نہیں سمجھتا۔ اس مال کا چوکیدار جو دراصل اللہ کی ملکیت ہے اور اسے اللہ کے بتائے ہوئے طریقوں سے صرف کرتا ہے۔

ج 112 کے پیشرس سے

مجرموں کے پیدا کردہ حالات کی بناء پر خود قانون کے محافظوں کی پوزیشن خطرے میں پڑ جاتی ہے اور ان کے خلاف شک شکوک و شبہات کے طومار بندھ جاتے ہیں۔

ج 112 کے پیشرس سے

قہقہے لگاؤ، آنسو تو اس دنیا کی چیزیں ہیں.... جہاں انسانیت اور سنگ دلی کا پرچار کیا جاتا ہے۔

ع نمبر 58

آدمی کو مرتے وقت اپنی جان کنی کا مشاہدہ بھی ایک طالب علم ہی کے جذبے کے ساتھ کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے۔

ع نمبر 67

آدمی میں رکھا ہی کیا ہے جسے پہچان کر وہ کسی فائدے میں رہے گا۔ اسے تو بس سونے اور جواہرات کی کانوں کی تلاش میں رہنا چاہیئے۔

ع نمبر 67

میں خود کو دنیا کے ہر امن پسند ملک کا نمائندہ سمجھتا ہوں۔ میرا فرض ہے کہ میں ہر ایسی چیز کو تباہ کر دوں جس سے بنی نوع انسان کو خطرہ ہو۔ ہیروشیما کی بربادی کا باعث امریکی عوام نہیں بنے تھے۔ وہ تو بڑے زندہ دل لوگ ہیں۔ زندگی سے پیار کرنے والے۔ مجرم

صرف حکمراں ٹولے ہوتے ہیں۔

ع نمبر71

ناموں میں کیا رکھا ہے۔ اوصاف ہی آدمی کو زندہ رکھتے ہیں۔

ع نمبر72

ہم جو کچھ بھی حاصل کرتے ہیں اللہ کی زمین ہی سے تو حاصل کرتے ہیں اور اس پر ہمارے حقوق صرف اسی حد تک ہوتے ہیں جو اللہ نے مقرر کردی ہے۔

ج112 کے پیشرس سے

پولیس مجرموں کے ہاتھ میں کھلونا بن کر رہ گئی ہے۔

ج 112

کچھ مجرم بڑی بڑی رشوتوں سے کام چلاتے ہیں۔ اور کچھ دھونس دھڑے سے...... لیکن رشوتوں کا سہارا لینے والے مجرم نہیں کہلاتے...... کبھی کبھی تو حکومت انہیں خطابات سے بھی نوازتی ہے۔

ج 112

بیوی کسی قابل نہ ہونے کے باوجود بھی شوہر کو صرف اپنی ملکیت سمجھتی ہے۔

ج 112

"مجھے چیونٹیوں نے حکمت سکھائی ہے۔ یہ ننھے ننھے کیڑے میرے راہبر ہیں۔ آؤ میرے ساتھ میں تمہیں بتاؤں۔" (وہ لوگوں کو اس جگہ لے جاتا جہاں چیونٹیوں کی قطاریں اپنی روزی اپنے ننھے ننھے جبڑوں میں دبائے رواں دواں ہوتیں۔ وہ لوگوں سے کہتا ہے) "یہ دیکھو یہ سب ایک دوسرے کا بوجھ اٹھائے ہوئے ہیں۔ اپنی یہ غذا کی جگہ ذخیرہ کریں گی۔ اور مزے

سے پوری برسات گزاریں گی۔ کوئی یہ نہیں کہے گا کہ اس دانے کو میں اٹھا کر لائی تھی۔ یہ صرف میرا ہے۔ کیا تم لوگ چیونٹیوں سے بھی زیادہ بے وقعت ہو۔ بول اے آدم زاد۔ یہ کہاں کا انصاف ہے کہ دس آدمیوں کا کنبہ ایک کمرے میں سڑتا رہے اور چار افراد کا کنبہ دس کمروں کی عمارت پر قبضہ جمائے بیٹھا رہے۔ بول اے آدم زاد۔ کیا تو چیونٹی سے بھی زیادہ حقیر ہے۔ مرنے کے بعد تجھے بھی کیڑوں کی غذا بننا ہے۔ حقیر ترین کیڑوں کی غذا۔ لہٰذا اپنی عظمت کے گیت نہ گا۔ اپنی عقل کا ماتم کر...... "

ع نمبر 72

ناموں میں کیا رکھا ہے میرے دوست۔ نام ہی تو ہمیں ایک دوسرے سے بہت دور کر دیتے ہیں۔ تم میں ہو اور میں تم۔

ع نمبر 67

احساسات و جذبات ہی نے دنیا کو تباہی کے کنارے لا کھڑا کیا ہے۔

ع نمبر 69

ہر انوکھی چیز اپنی طرف متوجہ کر لیتی ہے۔

ج 112

خوبصورت عورتیں دوسروں کو متوجہ کرنے کیلئے کوئی انوکھا پن اختیار نہیں کرتی۔ ان کی خوبصورتی ہی کافی ہوتی ہے۔!

ج 112

کبھی کبھی عورتیں زہر لگنے لگتی ہیں۔

ج 112

پردے کا یہی مقصد تو ہوتا ہے تا کہ عورت نامحرموں کی ہوس ناک نظروں سے محفوظ رہے۔

113 ج

کوئی شبہ بے بنیاد نہیں ہوتا۔

113 ج

بچوں کو سزا دینے کے سلسلے میں بہت محتاط رہنے کی ضرورت ہے۔ ہمیشہ یاد رکھیے!

ج نمبر 87

ہمارے یہاں ہر تیسرا آدمی کوئی نہ کوئی مخصوص زادہ ہے۔ شہزادہ سے لے کر فقیر زادہ تک .... ہر نام کے ساتھ زادگی کا دُم چھلا ضروری۔

ع نمبر 68

علاقائیت ہی تو علیحدگی کے نظریات گھڑتی ہے۔ بنیادی نظریہ علاقائیت کی نفی کرتا ہے۔ لیکن بنیادی نظریہ ہمارے لیے صرف شاعری بن کر رہ گیا ہے۔ جس پر ہم سر تو دھن سکتے ہیں عمل میں نہیں لا سکتے۔

ع نمبر 82

جس دن مجھے معلوم ہو گیا کہ میں کیا چیز ہوں اسی دن بالکل بُغد ہو کر رہ جاؤں گا۔ اسی لیے کبھی اس پر غور ہی نہیں کرتا۔

ع نمبر 78

ایک سو سال بعد بندوقیں اور توپیں کھلونا بن جائیں گی۔ ایٹمی دور تک تو آ ہی پہنچے ہیں۔

ع نمبر 76

کرائے کے آدمی روٹی کے لیے سر سے کفن باندھتے ہیں مجھے ان سے ہمدردی ہے اور اس وقت تک رہے گی، جب تک ہماری سوسائٹی صحیح معنوں میں انسانی سوسائٹی نہیں ہو جاتی۔

ج 113

میں سوچ رہا ہوں کہ آدمی سے زیادہ بے بس جانور اس زمین پر شائد ہی کوئی دوسرا پایا جاتا ہو۔ بعض اوقات وہ اپنی گردن کٹ جانے پر واویلا بھی نہیں کر سکتا۔

ج 113

آدمی میں صرف اخلاقی جرأت ہونی چاہیئے... پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے زیر نہیں کر سکتی۔

ج 113

یہاں کوئی کسی سے بڑا نہیں ہے۔ سب اپنے اپنے فرائض ادا کر رہے ہیں اگر کوئی بڑائی کے خبط میں مبتلا نظر آئے تو اسے ایک ''سنجیدہ احمق'' سمجھ کر نظر انداز کر دو۔

ع نمبر 73 کے پیشرس سے

اگر دنیا میں احمق نہ ہوتے تو ہم ہنسنے کو ترس جاتے۔

ع نمبر 76

لاعلمی قابل رحم حالت ہی کہلاتی ہے۔

ع نمبر 74

عورتوں کی قوتِ فیصلہ عموماً ڈانواڈول رہتی ہے۔

ع نمبر 74

جلد یا بدیر ہر شخص اپنے پیشے سے تنفر ہو جاتا ہے۔

ع نمبر 74

میں بھی رب عظیم کی تخلیق ہوں۔ایسی تخلیق جو دوسری تخلیقات پر حاوی ہے۔

ع نمبر 84

شریف آدمیوں میں اخلاقی جرأت نہیں ہوتی۔ وہ شریف نہیں بلکہ غلط تربیت کا شاہکار ہوتے ہیں! بزدل ہوتے ہیں۔ سچی بات بھی کسی کے منہ پر نہیں کہہ سکتے۔!اور اپنی اس کمزوری پر فراخدلی کا غلاف چڑھائے رکھتے ہیں۔

113 ج

بیدردی ہمارے نصاب تعلیم میں شامل ہوتی ہے! کسی لاش پر آنسو بہانے کے لئے ہمیں بڑی جدوجہد کرنی پڑتی ہے۔

113 ج

سنجیدگی سے مجھے نفرت ہے۔

113 ج

عورتوں کو صرف چولہے ہانڈی تک محدود رہنا چاہیئے!

113 ج

بائبل میں کہاں لکھا ہے کہ ایٹم بم بناؤ اور انہیں سوئے ہوئے غافل آدمیوں پر پھینک دو۔

ع نمبر 84

آدمی کے دکھ درد کا واحد علاج یہ ہے کہ اسے دوبارہ جانور بنا دیا جائے۔ ارتقاء اور تہذیب نے اسے کہیں کا نہ چھوڑا (نہ رکھا) سسک رہا ہے۔ ایڑیاں رگڑ رہا ہے لیکن مقابلے کی دوڑ جاری ہے ایسی کی تیسی ایسے ارتقاء کی جہنم میں جائے ایسی تہذیب۔

ع نمبر 86

مذہب آدمی بنانا چاہتا ہے اور سائنس حیوانیت کی طرف لے جا رہی ہے۔

ع نمبر 85

ہم سب ایک دوسرے سے ڈرتے ہیں لیکن اس کا اظہار نہیں ہونے دیتے، کبھی اس خوف کو محبت کا نام دیتے ہیں، کبھی خلوص کا اور کبھی احترام کا۔

ع نمبر 85

ہیرے کھائے نہیں جاتے اظہار برتری کا ذریعہ بنتے ہیں۔

ع نمبر 85

جب تک کسی کی کوئی برائی سامنے نہ آجائے میں اسے اچھا ہی سمجھتی رہتی ہوں۔

ج 113

نواب زادوں کو انڈسٹری کی سوجھتی ہے تو فلم انڈسٹری کے علاوہ اور کچھ سجھائی دیتا۔

ج 114

اظہار خیال کے لیے محض الفاظ کا انتخاب ہی کافی نہیں ہوتا۔ مناسب نشستِ الفاظ کے بغیر اچھے سے اچھا خیال بھی مسخ ہو کر رہ جاتا ہے۔

ج 114

میں یکسانیت کو موت سمجھتا ہوں۔

114 ج

میں آدمی نہیں بن سکتا۔ کیوں کہ مجھے جانوروں کو ایک خوش خبری سنانی ہے میں انہیں اطلاع دینا چاہتا ہوں کہ وہ آدمی سے زیادہ افضل ہیں وہ صرف پیٹ بھرنے کی حد تک جانور ہیں لیکن آدمی ہر جذبے کی تسکین کے لیے جانور بن جاتا ہے۔

ع نمبر 86

سلیقہ نہ ہو تو بد معاشی ہی کہلائے گی۔ سلیقہ اسے آرٹ بناتا ہے۔

ع نمبر 87

تم لوگ اتنے ترقی یافتہ ہو کہ ترقی کو جانور تو بنا سکتے ہو لیکن بیچارے کا قد نہیں بڑھا سکتے۔ مشترک خلائی سرکس دکھا سکتے ہو لیکن زمین کے مسائل آج تک حل نہ کر سکے۔ ہر مسئلے کا حل کشت وخون۔ جو آج سے ہزاروں برس پہلے تھا وہی ہے صرف طریق کار بدل گیا ہے۔

ع نمبر 86

ویسے کوئی بھی اس اٹل حقیقت سے انکار نہیں کر سکتا کہ نظریات کا اختلاف ہی دو افراد کے درمیان دیوار بنتا ہے۔ اور نظریات کے بغیر زندگی بسر کرنا بھی مشکل۔ نظریات نہ ہوتے تو یہ دنیا آج بھی جنگل ہوتی۔

ع نمبر 89 کے پیشرس سے

یکسانیت کو ناپسند کرنے والے تو سمندر میں چھلانگ لگا دیا کرتے ہیں۔

114 ج

غصہ غیرت مندوں کو آتا ہے۔

ج 114

کوئی دعویٰ ثبوت کے بغیر تسلیم نہیں کیا جا سکتا۔

ج 114

پیٹ کے لیے سب کچھ کرنا پڑتا ہے۔

ج 114

کچھ افراد خاص قسم کے لوگوں کے لیے بعض کمزوریاں بھی رکھتے ہیں

ج 114

مذہب محض رسوم کی ادائیگی ہی تک محدود ہو کر رہ گیا ہے۔

ع نمبر 89

کسی کے مرنے کا غم اسے ہونا چاہیئے جسے خود نہ مرنا ہو۔

ع نمبر 89

دولت کے بل بوتے پر کئے جانے والے اقدام کا اثر دیرپا نہیں ہوتا۔

ع نمبر 89

جرائم کا اصل سبب یہی ہے کہ لوگ قانون کے محافظوں کی طرف سے مطمئن نہیں ہیں۔

ع نمبر 89

سب سے بڑی ''حماقت'' وہی ہے جسے لوگ ''ذہانت'' کہتے ہیں۔

ع نمبر 89

ذہانت نے آدمی کو نظریات دیے ہیں اور.... وہ نظریات کی پوٹ بن کر رہ گیا ہے۔ آدمی نہیں رہا۔

ع نمبر 89

ہر جینیس کی کوئی نہ کوئی کمزوری بھی ہوتی ہے۔

ج 114

صاحب! اپنے یہاں کے فلم بین حضرات اب تک میری سمجھ میں نہیں آسکے۔ فارمولا فلم بناؤ تو گالیاں کھاؤ اور نہ بناؤ تو اس سے زیادہ گالیاں کھاؤ۔ ہیرو، ہیروئن کی شادی کرادینے پر تلے بیٹھے رہتے ہیں۔ پوچھو بھائی اگر شادی ہوگئی تو تمہیں کیا فائدہ پہنچے گا اور نہ ہوئی تو تم پر کیوں پھٹکار برسنے لگی ہے۔

ج 114

ہیرا پھیری بھی آدمی کی فطرت میں شامل ہے۔

ج 114

عقلمند مرد مجھے بالکل گدھے لگتے ہیں۔

ج 114

بس آدمی کا بچہ ہونا کافی ہے.... نام کچھ بھی ہو۔

ع نمبر 89

اگر سب عقل مند ہو جائیں تو زندگی ریگستان بن کر رہ جائے گی۔

ع نمبر 89

میں آدمی کے مستقبل سے مایوس ہو گئی تھی لیکن یہاں کی ان عورتوں سے مل کر بڑی ڈھارس بندھی ہے۔ جن پر ابھی تک باہر کے نظریات حملہ آور نہیں ہوئے ہیں۔

ع نمبر 91

میں آدمی سے مایوس ہوتا جا رہا ہوں۔ کسی قسم کی بھی تربیت اسے جذبات کی غلامی سے رہائی نہیں دلا سکتی۔

ع نمبر 91

مرد نے عورت کے سامنے رونا شروع کر دیا ہے۔

ع نمبر 91

ہم سب درندے ہیں۔

ع نمبر 91

آدمی جب درندگی پر اتر آتا ہے تو جانوروں سے بھی بدتر ہو جاتا ہے۔ کیا تم نے کبھی کسی کتے کو دوسرے کتے کا گوشت کھاتے دیکھا ہے۔

ج 114

لوگ زیادہ قیمت ادا کر سکتے ہیں اس لیے گرانی بڑھتی ہے!

ج115 کے پیشرس سے

آپ بھی سگریٹ ترک کر دیجیے۔ اس کی بجائے پان کھائیے' نسوار سے شوق فرمائیے' حقہ پیجیے' کہ یہ اپنے ہی قومی نشے ہیں۔

ج115 کے پیشرس سے

پیام پہنچانے والوں کو اپنی پوجا زیادہ تر کرانے کی فکر رہتی ہے اس لیے وہ صرف اختلافی مسائل پر ایک دوسرے کو للکارتے رہتے ہیں۔

ع نمبر 92

یہی تو مصیبت ہے ہم سب ایک دوسرے کو برا بھلا کہہ رہے ہیں مگر توفیق نہیں ہوتی کہ کبھی اپنے گریبانوں میں جھانکنے کی کوشش کریں۔

ع نمبر 93

تم عورت کے مقام سے نا آشنا ہو.... وہ اس وقت بھی عورت ہی ہوتی ہے جب گردن پر چھری پھیر رہی ہوتی ہے۔

ع نمبر 94

اپنی پسند کے لوگ تلاش کیے جاتے ہیں یونہی نہیں مل جایا کرتے۔

ع نمبر 95

میں نے آج تک ایسا کوئی پاگل نہیں دیکھا جس نے خود کو پاگل تسلیم کیا ہو۔

ع نمبر 95

جو بھی اپنی حدود سے تجاوز کرے گا دشواری میں ضرور پڑے گا۔

ع نمبر 103

پیروں میں دوڑ لگانے کی سکت پیدا کرو۔

ج 115

جنت سے اسی لیے نکالے گئے تھے کہ جہنم بھی آباد ہو سکے!

ج 115

مرد دراصل یہ چاہتے ہیں کہ عورت صرف ان کی ہاں میں ہاں ملاتی رہے' ان سے اختلاف نہ کرے۔

ج 115

زیادہ ملنے سے تعلقات بڑھتے ہیں پھر جدائی برداشت نہیں ہو سکتی!

ج 115

سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر کہیں اخلاقیات طرۂ امتیاز کیوں ہوتی ہے اور کہیں ایک فضول سی چیز کیوں بن جاتی ہے۔

ع نمبر 95

تمہارا اعتراض درست نہیں ہے کہ میں بھونک نہیں سکتا۔ دراصل سمجھ کا پھیر ہے۔ ہم بھی بھونکتے ہیں اور بہت اعلیٰ پیمانے پر بھونکتے ہیں' فلسفہ بھونکتے ہیں' منطق بھونکتے ہیں' سیاست بھونکتے ہیں۔ اور تمہاری ہی طرح ایک دوسرے کو کاٹتے اور بھنبھوڑتے بھی ہیں۔

ع نمبر 97

میں عموماً بنجر زمینوں پر کاشت کرتا ہوں اور کچھ نہیں تو کانٹوں دار پودے ہی اُگا لیتا ہوں اور وہ کانٹے میرے لیے خون کی بوندیں فراہم کرتے ہیں۔

ع نمبر 99

فتنہ فساد کی اصل وجہ، نظریات کا تضاد اور اختلاف ہے۔ اگر ایک ہی نظریۂ حیات پر سب متفق ہو جائیں تو دنیا جنت بن جائے گی۔

ع نمبر 101

افسوس .... دنیا نے مجھے بالکل نہیں سمجھا ہے۔

ع نمبر 102

سچائی اتنی سستی چیز نہیں ہے کہ چہروں پر ماری ماری پھرے۔

115 ج

پولیس تو بے گناہوں سے بھی اعتراف جرم کرا لیتی ہے!

115 ج

میں لعنت بھیجتا ایسی تہذیب پر جو دوسروں کی عورتوں پر ڈاکے ڈلواتی ہو۔

115 ج

میں فرعونوں کی طرح نہیں مرنا چاہتا۔

115 ج

جہاں اپنے نفس کو ذبح کرنا پڑتا ہے۔ وہاں ہم اسلام کا نام ہی نہیں لیتے۔

ع نمبر 100

اسپورٹس اور اولمپک کے نام پر عورت کا ننگا پن عالمی تہذیب بن چکا ہے۔

ع نمبر 100

شادی کے بعد ہی تو موت سامنے بیٹھی نظر آنے لگتی ہے۔

ع نمبر116

ہمارے سماج میں عورتوں اور مردوں کے مقامات کا روائتی تعین حقیقتاً بے حد سائنٹفک تھا جسے بیرونی اثرات نے تباہ کر دیا۔

ع نمبر103

مجھ پر اس سے بڑا اور کوئی تشدد ہو ہی نہیں سکتا کہ کوئی عورت میرے سر پر سوار ہو جائے۔

ع نمبر104

سنی ہوئی باتیں اکثر غلط بھی ہوتی ہیں۔

ج نمبر57

نہ عورت خاموش رہ سکتی ہے اور نہ اس کا بچہ! ایک کان کھاتی ہے اور دوسرا حلق پھاڑتا ہے! آواز کے علاوہ اور کیا رکھا ہے دنیا میں۔

ج 115

زیادہ سے زیادہ لڑکیوں کے پیچھے دوڑ لگاؤ.... جی بھر کے عیاشی کرو اور بڑھاپے میں اللہ پاک سے معافی مانگ کر جنت الفردوس کو سدھارو۔

ج 115

باہر کے معاملات میں سالیوں سے گفتگو کرنے والے گدھے ہوتے ہیں۔

ج 116

جس عورت کے آٹھ بچے ہوں وہ خوش اخلاق ہو ہی نہیں سکتی۔

ج 116

سوچنے کی بات ہے کہ نچلی سطح پر امتحانات اور ٹریننگ کا چکر چلتا رہے اور اوپر جس کا دل چاہے پہنچ جائے۔ بس جیب بھاری ہونی چاہیئے۔ نہ کوئی امتحان اور نہ کوئی ٹریننگ ...واہ بھئی۔

ع نمبر 102

جمہوریت کے ساتھ لفظ 'حکومت' لغو ہے۔.... اسے حکومت کی بجائے نظامت ہونا چاہیئے۔ ہم اپنے لیے آقا نہیں منتظم منتخب کرتے ہیں.... منتظم حکم نہیں دیتے مشورہ دیتے ہیں۔ حکم سے آدمی کو ازلی بیر ہے۔ ہزار ہا سال سے اپنے دل میں حکم اور حکومت کے لیے کینہ پالتا آیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ وہ پہلے قوم کے خادموں کو خوشی خوشی منتخب کرتا ہے اور پھر جب وہ حاکم بن جاتے ہیں تو انہیں گالیاں دینا شروع کر دیتا ہے۔ حکم اور حکومت کے خلاف لاشعور میں بیٹھی ہوئی نفرت اسے گالیاں دلواتی ہے۔ جسے اس نے خود منتخب کیا تھا.....

ع نمبر 102

ڈگریاں اصلیت پر پردے نہیں ڈال سکتیں۔ اسی لیے آبائی پیشے سے چمٹا ہوا ہوں۔

ع نمبر 103

ہم بھی کسی نہ کسی نشے کے سہارے زندگی گزار رہے ہیں۔

ع نمبر 110

بعض لوگ ساری زندگی دکھوں میں گزار دیتے ہیں۔

ج 116

کچھ لوگ حقیقتاً بے حد لومڑی ہوتے ہیں جبکہ شیروں کی طرح دھاڑتے بھی رہتے ہیں۔

ج 116

عشق مذاق نہیں۔ عشق ہی عشق ہے جہاں دیکھو۔ سارے عالم میں بھر رہا ہے عشق ....! اسی کو گانا شروع کر دو تو قوالی کہلائے گی۔

ج 116

جہنم ایک استعارہ ہے.... اور آگ اس تکلیف کا نام ہے جو کسی بُرے فعل کے نتیجے میں آدمی کو پہنچتی ہے۔ مثال کے طور پر جنسی بدکاروں کو کبھی کبھی بڑے خطرناک امراض چمٹ جاتے ہیں اور ان کی زندگیاں ہی جہنم بن کر رہ جاتی ہیں۔

ج 116

وہ مشرق کا اسی لیے مداح تھا کہ یہاں اب بھی خیالات میں پاکیزگی پائی جاتی ہے۔ لوگ بُرائی کو برائی ہی سمجھتے ہیں۔ اسے تفریح کا نام دے کر اس کا پرچار نہیں کرتے۔

ع نمبر 105

خدا نے انگور اس لیے پیدا کیے ہیں کہ ہم انہیں کھا کر جان بنائیں لیکن ہم ان سے بلڈ پریشر اور السر کشید کرنے لگتے ہیں۔

ع نمبر 106

ہر شخص ماقبل تاریخ کا آدمی ہے۔ کیوں کہ ہر شخص اپنے مقصد کے حصول کے لیے درندہ بن سکتا ہے۔

ع نمبر 107

ہم دو وقت کی روٹیوں کے لیے اسی طرح خوار ہوتے رہتے ہیں۔ آدمیت کی سطح سے گرتے رہتے ہیں۔

ع نمبر 107

بسا اوقات اپنے حواس بھی دھوکا دیتے ہیں۔ اس لیے اپنی صحیح پرکھ تم خود نہیں کر سکتے۔ بہتر یہی ہے کہ تم اسے آنے والی نسلوں پر چھوڑ دو۔ وہی اس کا فیصلہ کر سکیں گی کہ تم کھرے تھے یا کھوٹے ....

ع نمبر 108

جو اپنوں کے نہیں ہوتے وہ کسی کے بھی نہیں ہوتے۔

ج 116

تبدیلی کے لیے نقل مکانی ضروری نہیں۔

ج 117

مصروفیت کو ترک کر کے دوسرا شغل اختیار کر لینا ہی حصول مقصد کے لیے کافی ہونا چاہیے۔

ج 117

آبادی بڑھ گئی ہے۔ وسائل محدود بھی ہیں اور چند ہاتھوں کا ان پر قبضہ ہے۔

ج 117

دولت مندوں کو مزید دولت مند بننے کی آزادی ہے اور عوام کو قناعت پسندی کا سبق دیا جا رہا ہے۔

ج 117

بسا اوقات ہم غلط سوچتے اور غلط فیصلے کرتے ہیں۔ لہٰذا کسی فیصلے پر عمل کرنے سے پہلے دوبارہ ٹھنڈے دل سے اس مسئلے پر غور کرنا چاہیئے۔

ع نمبر108

ہمارے ملک میں گھسیاروں کو پکڑ کر ماہر تعلیم بنا دیا جاتا ہے...... اور وہ کم عمر گدھوں پر مختلف قسم کے مضامین کی گٹھڑیاں لادتے چلے جاتے ہیں...... ابھی حال ہی میں دوسری جماعت کے ایک بچے سے اس کے نصاب کے متعلق پوچھ بیٹھا تھا...... اس نے بتایا کہ وہ اردو، انگریزی، سوشل اسٹڈی، ارتھمیٹک، نیچر اسٹڈی، اسلامیات، آرٹ اینڈ کرافٹ اور ہائی جین وغیرہ وغیرہ پڑھتا ہے...... ذرا سوچو تو کیا حشر ہوگا اس کا۔ کیا اکتاہٹ اور مایوسی اس کی زندگی کے اجزا لازم نہیں بن جائیں گی۔ کیا تخلیقی صلاحیتیں کند نہ ہو جائیں گی اور پھر کیا مستقبل اسے محض ایک کلرک بنا کر نہ رکھ دے گا۔

ع ڈاکٹر دعا گو!

تمہارے یہاں اخوت و مساوات کے بڑے چرچے ہیں۔ لیکن تمہاری قوم کے پچھتر فی صد افراد فقر و فاقہ اور صبر و قناعت کی زندگی گزارتے ہیں اور 25 فی صد کا یہ عالم ہے کہ دن بھر میں دو ڈھائی پونڈ لیونڈر اپنے کپڑوں پر اسپرے کر ڈالتے ہیں۔

ع نمبر113

اگر خود غرضی اور جاہ پسندی سے منہ موڑ لیا جائے ایک نئے انداز کی سرمایہ داری کی بنیاد ڈالنے کے بجائے خلوص نیت سے وہی کیا جائے جو کہا جاتا رہا ہے۔ تو عوام کی جھلاہٹ رفع ہو جائے گی ضرورت ہے کہ انہیں قناعت کا سبق پڑھانے کے بجائے ان کی خودی'' کو ابھارا جائے جیسے بعض دوسرے ممالک میں ہوا۔

ج 117

اللہ اس پر کبھی برہم نہیں ہو سکتا کہ کوئی قوم اپنے حالات کو مدنظر رکھ کر اپنے وسائل کی تقسیم کا مناسب انتظام کرے۔

ج 117

میرا نظریۂ حیات یہ ہے کہ جب مرنا ہو گا' مر جاؤں گا۔ پہلے سے بور ہوتے رہنے کی کیا ضرورت ہے۔ نہ اپنی کوشش سے پیدا ہوا ہوں اور نہ اپنے ارادے سے مر سکوں گا لہٰذا عیش کرو۔

ع نمبر 111

ساری دنیا کے مذاہب کا لٹریچر اکٹھا کر دیا جائے تو اسلامی لٹریچر کا عشر عشیر بھی نہ ثابت ہو گا۔

ع نمبر 113

آج کل یہی سب سے بڑا فن ہے کہ کپڑے اتار کر پھینک دو!

ع نمبر 64

کیوں نہ "پولیس" کا نام بدل دیا جائے جیسے وکٹوریہ روڈ کا نام بدل کر شارع "نور جہاں" کر دیا گیا ہے .... پولیس کا نام "دل رُبا" رکھ دیا جائے .... یونیفارم بدل دیا جائے ... چوڑی دار پائجامہ' اچکن اور دو پلی ٹوپی ... جتنا بڑا افسر ہو اتنا ہی زوردار سرمہ لگائے ... پھر دیکھئے کیا مزہ آتا ہے ... عوام پولیس کو کاندھے پر اٹھائے پھریں گے۔ آپ خود سوچئے۔ ....

ع نمبر 64

سچی بات ہر حال میں کہہ دینی چاہیے۔

ج نمبر 55

یہاں اپنے قصور پر کون پکڑا جاتا ہے۔

117 ج

مشرق میں ابھی آدمیت باقی ہے۔

117 ج

معصومیت کے خلاف کوئی گندی بات سننا گوارا نہیں کرتا۔ ہر معصوم عورت میری ماں ہے' بیٹی ہے۔

117 ج

کچھ نشے خالص ذہنی نوعیت کے ہوتے ہیں۔ دولت کا نشہ' اقتدار کا نشہ' فن کا نشہ' عورت کا نشہ وغیرہ وغیرہ۔

ع نمبر 110

دنیا میں سبھی ایک جیسے نہیں ہوتے۔

ع نمبر 110

آدمی نے بہتری غیر ضروری چیزیں اپنے پیچھے لگالی ہیں۔ شراب' تمباکو' چائے وغیرہ۔ اگر یہ نہ ملیں تو کوئی کام ہی ڈھنگ سے نہیں ہو پاتا۔ جو ان کے عادی نہیں ہیں آخر وہ بھی تو آدمی ہی ہیں نا اور کارکردگی میں کسی سے کم بھی نہیں ہیں۔ آدمی سے زیادہ احمق جانور روئے زمین پر اور کوئی دوسرا نہ ہوگا۔ اس پر سے اشرف المخلوقات ہونے کا بھی دعوے دار ہے۔

ع نمبر 110

دنیا کے لیے سب سے بڑا خطرہ وہ طاقتیں ہیں جو بظاہر امن کے ڈھول پیٹتی ہیں لیکن اپنی حرکتوں سے امن دشمنی کا ثبوت دیتی ہیں۔

ع نمبر 111

نہیں لڑکیاں پاگل نہیں ہوتیں۔ پاگل بنا دیتی ہیں۔

ج نمبر 57

میں دوسروں کی مجبوریوں یا کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کا قائل نہیں ہوں۔

ج 117

مظلوم لوگ ہی پیار کے مستحق ہوتے ہیں۔

ج 117

محبت کے بغیر آدمی مکمل نہیں ہوتا۔

محبت وہی ہے جو لامحدود ہو۔ محدود ہو کر ہوس بن جاتی ہے

ج 117

مجھے عورت کے ساتھ دفن ہونے میں کوئی اعتراض نہیں لیکن دفن کرنے سے پہلے اس کی زبان کاٹ دی جائے تو زیادہ بہتر ہوگا۔

ج 117

حکومتوں سے سرزد ہونے والے جرائم' جرائم نہیں حکمت عملی کہلاتے ہیں۔ جرم تو صرف وہ ہے جو انفرادی حیثیت سے کیا جائے۔

''جونک کی واپسی'' ع

اگر عاشقی بدتمیزی ہوتی تو نصابی کتابوں میں اس کا ذکر نہ ملتا اور میر و غالب بدتمیز کہلاتے۔

ع بیباکوں کی تلاش

سچا آرٹسٹ کبھی خود کو پوز نہیں کرتا۔ اس کی روح ہر وقت ناچتی رہتی ہے لیکن اوپر سے وہ کسی جھیل کی طرح پر سکون نظر آتا ہے۔ اس کی آنکھوں میں بے چینی کے بجائے ایک پر وقار قسم کا ٹھہراؤ ہوتا ہے۔
ہر آرٹسٹ بڑا نہیں ہو سکتا۔

ج نمبر 54

موت کے منہ میں جانا اور نکل آنا مردوں ہی کا کام ہے۔

ج نمبر 55

غیر ضروری باتوں سے جتنا بچو اتنا ہی اچھا ہے۔

ج نمبر 54

میں قوم کا غم نہیں پالنا چاہتا۔

ج 117

بھاگنا میرا شیوہ نہیں ہے۔

ج 117

شادی نہ کرنا کوئی اچھی بات تو ہے نہیں .... خود اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر ٹھنڈے دماغ سے سوچتے کیا آپ سالوں اور سالیوں سے محروم رہنا پسند کریں گے۔

118 کے پیشرس سے

دونوں سپر پاورز عالمی رائے عامہ سے قطعی متاثر نہیں ہوتیں جوان کا دل چاہتا ہے کرتی رہتی ہیں اس لیے محض کانفرنسوں سے کام نہیں چل سکتا۔

ع نمبر 115

ساری دنیا ایک بہت بڑے فراڈ کے دور سے گزر رہی ہے کچھ لوگ دوسروں کو فریب دیتے ہیں اور کچھ خود فریبی میں مبتلا ہیں۔

ع نمبر 115

عجیب مزاج کا آدمی تھا... کچھ دیر پیشتر ملک دشمنوں کا دوست تھا اور اب انہی لوگوں کا دشمن بن گیا تھا اور یہ انقلاب صرف ایک عورت کے تھپڑ سے رونما ہوا تھا۔

آدمی سے زیادہ درندہ کوئی اور بھی ہے؟ آخر اسے اشرف کس وجہ سے کہا جاتا ہے؟ یہ تو درندگی کو بھی پیچھے چھوڑ گیا ہے۔

ع نمبر 116

بس یہی فرق ہے آدمی اور کتے میں.... آدمی تکلفات کا عادی ہوتا ہے۔

ج نمبر 58

آجکل کے بچوں سے اگر برابری کا برتاؤ نہ کیا جائے تو ان کے دل ٹوٹ جاتے ہیں۔ ان کی شخصیتوں میں جھول پڑ جاتے ہیں۔ شوہر سے تو ایسا ہی برتاؤ ہونا چاہیے کہ بچے نہیں جن سکتا تو کیا اب چولھا ہانڈی بھی نہ کرتے۔

118 کے پیشرس سے ۲

بے خبری جنت ہے۔

118 ج

چھٹی حس کی بیداری کے بھی اسباب ہوتے ہیں! ماحول میں کوئی غیر معمولی یا غیر فطری بات چھٹی حس کو بیدار کرتی ہے۔

118 ج

دنیا کی ہر عورت گاؤدی ہونے کے علاوہ اور سب کچھ ہو سکتی ہے۔ عورت سے زیادہ چالاک جانور روئے زمین پر دوسرا نہیں ملے گا۔ ارے یہی کیا کم ہے کہ اس نے بڑے بڑے افلاطونوں کو اپنے گاؤدی ہونے کا یقین دلایا .... محض اس لیے کہ ذمہ داریوں کے بوجھ سے سبکدوش ہو جائے۔ عورت تو اس وقت بھی ذہین تھی جب آدمی درختوں کی جڑیں کھود کر اپنا پیٹ بھرتا تھا۔ سو مردوں میں کم از کم دس مرد بے وقوف ہوتے ہیں۔

ع نمبر 22

تربیت ضروری چیز ہے .... یہ کیا کہ ایک معمولی کلرک کو کلرکی کا امتحان دینا پڑے۔ ایک پولیس کانسٹیبل، رنگروٹی کا دور گزارے بغیر کام سے نہ لگایا جائے۔ لیکن ترکاریوں کے آڑھتی، بے مروت جاگیردار اور گاؤدی قسم کے تاجر براہ راست اسمبلیوں میں جا بیٹھیں اور قانون سازی فرمانے لگیں اور ان ہی میں سے کچھ کابینہ کے ارکان بن جائیں۔

ع نمبر 102

دنیا کا کوئی مجرم بھی سزا سے نہیں بچ سکتا! قدرت خود ہی اسے اس کے مناسب انجام کی طرف دھکیلتی ہے! اگر ایسا نہ ہو تو تم ایک رات بھی اپنی چھت کے نیچے آرام کی نیند نہ سو سکو۔ زمین پر فتنوں کے علاوہ اور کچھ نہ اُگے۔

ع نمبر 39

بس مغلوں کا غرہ ہی باقی رہ گیا ہے ... اگر اکبر اعظم کا سا لباس پہن لوں تو بچے میرے پیچھے تالیاں بجاتے پھریں گے۔

118 ج

اپنی زندگی بچانے کے لیے بھی جتن کرنے پڑتے ہیں۔

118 ج

بے یقینی کا کوئی علاج نہیں۔

ج 118

مرد کبھی اپنے خاص معاملات تفصیل سے عورتوں سے نہیں بتائے!

ج 118

عورت سگریٹ کے پیکٹ کی طرح ہمیشہ جیب میں نہیں پڑی رہتی .... اس کی اہمیت صرف بیس سگریٹوں تک محدود ہے اس کے بعد وہ جیب سے ردی کی ٹوکری میں منتقل ہو جاتی ہے۔

میرے لیے عورت کی پہلی مسکراہٹ دلکش، دوسری قابل برداشت، تیسری بورنگ اور چوتھی بالکل ایسی معلوم ہوتی ہے جیسے کسی بندریاں نے دانت دکھادیے ہوں۔

ج 118

اللہ کی ذات سے اچھی ہی امید رکھو۔

ج 118

بعض لوگ داڑھیاں رکھنے پر تیار نہیں۔

بعض خواتین دوبارہ پردہ کرنے پر تیار نہیں۔

جو عیش جس کو نصیب ہو گیا ہے وہ اسے ترک کرنے پر تیار نہیں خواہ وہ ناجائز ذرائع ہی سے کیوں نہ نصیب ہوا ہو۔

بعض نوجوان افراد اپنی پوشش تبدیل کرنے پر رضامند نہیں۔

بعض لوگ ''محرم'' اور ''نامحرم'' کے چکر سے نکل جانے کے بعد دوبارہ اس میں پڑنے کے لیے تیار نہیں۔

یارو! کیا رکھا ہے ان باتوں میں؟ تمہارا ظاہر کچھ بھی ہو۔ لیکن دل مسلمان ہونا چاہیے

کچھ نیکیاں سچے دل سے اپنا کر دیکھو! آہستہ آہستہ تم خود ہی کسی جبر و کراہ کے بغیر اپنا ظاہر بھی اللہ کے احکامات کے مطابق بنا لو گے۔ بس پھر جیسے ہی تم انفرادی طور پر اللہ کے احکامات کے آگے جھکے یہ سمجھ لو کہ ایک ایسا یونٹ بن گیا جس پر اللہ کی ڈکٹیٹر شپ قائم ہے.... انفرادی طور پر اپنی حالات سدھارتے جاؤ' پھر دیکھو کتنی جلدی ایک ایسا معاشرہ بن جاتا ہے جس پر اللہ کی حاکمیت ہو۔

قرآن کو پڑھو' اس پر عمل کرو .... اسے علم الکلام کا اکھاڑا نہ بناؤ۔ جس طبقہ کے تم شاکی ہو اس کی اصلاح کی سوچو ظلم و تشدد کا تصور تک ذہن میں نہ لاؤ۔ .... ہمیشہ یاد رکھو' تم اس کے غلام ہو جس کی مظلومیت انقلاب لائی تھی (یاد کرو طائف کا واقعہ جب میرے آقا و مولا کی جوتیاں تک لہولہان ہو گئی تھیں)

ع نمبر 58

کائنات کو مسخر کرنے والا آدمی بجلی کے کڑاکے سے ڈرتا ہوا کچھ اچھا نہیں لگتا۔

جانور بھی اکٹھے ہو کر اپنی اپنی بولیاں بولتے ہیں۔ پھر آدمی کیوں منہ باندھے بیٹھے رہیں۔

بسا اوقات آدمی کو وہ بھی کرنا پڑتا ہے جسے وہ قطعی پسند نہیں کرتا۔

بعض عورتیں بھی بے رحم ہوتی ہیں ویسے خدا نے انہیں ماں ہی بنایا ہے۔

ج 119

زندگی میں ایسی راتیں بھی آتی ہیں جن کا حساب کتاب رکھنے کو دل نہیں چاہتا۔

کاروبار میں ہر قسم کی دشمنیاں چلتی رہتی ہیں۔

زندگی میں بعض ایسی حسین راتیں بھی آتی ہیں جب سونے کو دل نہیں چاہتا۔

ج نمبر 70

کچی باتوں کا اعتراف کرنا ہی چاہیئے۔

خدا غارت کرے قاتلوں کو' جو شاعری کی بجائے قتل کرتے پھرتے ہیں۔

کچھ کھاتے وقت تاؤ بالکل نہ کھاؤ۔ ورنہ معدہ چوپٹ ہو جائے گا۔

ایک پرندے کو سنہرے قفس میں بند کر کے دنیا کی نعمتیں اس کے لیے مہیا کر دو لیکن کیا وہ پرندہ تمہیں دعائیں دے گا۔

ج نمبر 71

مرد تو کتے ہوتے ہی ہیں لیکن عورت صرف ماں ہے۔ ہر حال میں ماں رہتی ہے۔

آدمی آدمی ہی رہتا ہے فرشتہ نہیں ہو جاتا۔

مایوسی اچھی چیز نہیں۔

ج 119

دشمن آسمان سے نہیں ٹپکا کرتے اور نہ کسی دوسری دنیا کی مٹی سے بنائے جاتے ہیں۔

جو لوگ زیادہ سوچتے ہیں وہ عموماً چھوٹی ہی سی عمر میں سٹھیا جاتے ہیں۔

عورتوں کے سامنے تو کیچوے بھی شیخیاں بگھارنے لگتے ہیں۔

سچی بات ہر حال میں کہی جاتی ہے۔

دنیا میں وہی آدمی خوش رہ سکتا ہے جسے صرف اپنی ذات سے محبت ہو۔

ج نمبر 70

دولت کی ریل پیل ذہنی سکون کی دشمن ہوتی ہے آدمی مشین بن کر رہ جاتا ہے میرے لئے بس اتنا ہی کافی ہے کہ میری ضروریات پوری ہوتی رہیں اور مجھے آپ سے قرض نہ لینا پڑے۔ میں اسے سب سے بڑی دولت مندی سمجھتا ہوں کہ جب میں سونے کے لیے لیٹوں تو مجھے فوراً نیند آجائے۔

120 کے پیشرس سے ج

جھلاہٹ بری چیز ہے! عقل خبط ہو کر رہ جاتی ہے۔

فرعونیت کی عمر تھوڑی ہوتی ہے!

120 ج

محبوبہ ہر حال میں محبوبہ ہوتی ہے، خواہ وہ کسی کی بیوی ہو یا نہ ہو اور محبوبائیں عموماً بدمعاش ہی رکھتے ہیں۔ شریفوں میں تو بیوی رکھنے کی بھی ہمت نہیں ہوگی۔

تاک جھانک کی عادت بُری کہلاتی ہے۔

ظاہر ہے کہ کوشش کے بغیر کچھ بھی نہیں ہو سکتا۔

ج نمبر 70

دوسروں کی کمزوری سے فائدہ اٹھانا اچھی بات نہیں ہے۔

زندگی میں ایسے مواقع بھی آتے ہیں جب انتہائی شاطر قسم کے لوگ بھی غلطیاں کر بیٹھتے ہیں۔

زیادہ سوچنا بھی بعض اوقات بیکار ثابت ہوتا ہے۔

ج نمبر 71

چرس وقتی طور پر دکھوں سے آزاد کر دیتی ہے۔ دکھوں سے مستقل طور پر تو نجات نہیں دلا دیتی۔

دکھوں سے اسی وقت نجات مل سکتی ہے جب سارے انسان اپنے دکھ آپس میں بانٹ لیں۔ صرف یہی ہے نجات کا راستہ۔

آدمی بنیادی طور پر دیوتا تھا۔ لیکن مختلف قسم کے فلسفوں نے اسے درندہ بنا دیا ہے۔!

ج 120

مجھے اتنے بے تکلف دوست قطعی پسند نہیں' جو سرِ راہ بے عزتی کر بیٹھیں۔

جو شخص اپنی برائیاں تسلیم کر لینے کے سلسلے میں لوگوں کی نظروں سے گرنے کا خطرہ مول لے اس سے زیادہ باہمت اور اونچا آدمی تو کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

آدمی' آدمی ہی ہے۔ فرشتہ نہیں ہو سکتا۔ ویسے فرشتہ بننے کی کوشش ضرور کرتا ہے لیکن حقیقتاً فرشتہ نہیں ہے۔

قُوت سے تو شیر تک قابو میں آجاتے ہیں۔

دولت حاصل کرنے کے لیے مختلف ذرائع اختیار کرنے ہی پڑتے ہیں۔

وہ آدمی جو دریاؤں کے رخ بدل سکتا ہو جو پہاڑوں کے جگر چیر سکتا ہو۔ کیا وہ خود کو نہیں بدل سکتا۔

دوستی کا یہ مطلب تو ہرگز نہیں ہوتا کہ وہ عشق ہی کی شکل اختیار کر لے۔

بوڑھی محبوبائیں لات مارنے سے بھی گریز نہیں کرتیں۔

ایک نہ ایک دن ہر بُرے آدمی کو یہ سوچنا ہی پڑتا ہے کہ وہ غلط راہوں پر آنکلا تھا۔ اب اگر اس میں اتنی ہمت ہوئی کہ وہ اسی راہ پر واپسی کے لیے مڑ جائے تو یقیناً اسے وہ راہ مل جاتی ہے جس سے بھٹک کر غلط راہ پر جا نکلا تھا۔ لیکن اگر اس نے یہ سوچا کہ اب واپسی کی زحمت کون گوارا کرے، ہوسکتا ہے یہی راہ آگے جا کر اس راہ سے مل جائے جس پر اسے سفر جاری رکھنا چاہیئے تھا۔ وہ ہمیشہ دھوکے ہی میں رہے گا اور وہ راہ آہستہ آہستہ اسے اندھیروں میں دھکیلتی رہے گی۔

ج نمبر 71

کچھ لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں کہ اپنا غم وغصہ ظاہر نہیں ہونے دیتے۔ اور اپنی اسی فطرت کی آڑ میں بڑے سے بڑا جرم کر جاتے ہیں۔

ج 120

شاید کوئی بھی نہیں جانتا کہ جمہوریت کس چڑیا کا نام ہے یا پھر اس کی طرف سے مصلحتاً آنکھیں ہی بند کر لی گئی ہیں۔

بنیادی چیز آدمی کو اپنے مقام کا عرفان ہے۔ جب تک آدمی اپنا مقام نہیں پہچانے گا۔ کسی نظام کو ڈھنگ سے نہیں چلا سکے گا۔

ج 120

تعلقات اپنی جگہ پر کاروبار اپنی جگہ پر دشمن کی وجہ سے اگر کوئی فائدہ پہنچ رہا ہو تو اسے نظر انداز نہ کرنا چاہیئے۔

کسی کی بھی اکڑ زیادہ دنوں تک برقرار نہیں رہ سکتی حالات جھکنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

مشین بن کر ہی آدمی، آدمی رہ سکتا ہے .... ورنہ کتا ہو جاتا ہے۔

ج 121

عالی ظرف لوگ کبھی احسان نہیں جتاتے۔ بلکہ زبان پر بھی نہیں لاتے۔

ہر لڑکی کے معاملے میں خدا سے ڈرنا چاہیئے۔

حد تو وہاں ہوتی ہے۔ جہاں محبوبہ کے سامنے عاشق سلمہٗ کی حجامت بنتی ہے۔

دب کر چیونٹی بھی کاٹ لیتی ہے۔

موٹی محبوبائیں لاش کے سینے پر رکھا ہوا پتھر بن جاتی ہیں۔

جھک مارے بغیر ترقی ناممکن ہے۔

الّو کو الو بنانے سے فائدہ ہی کیا۔

ج نمبر 72

شادی شدہ لوگوں سے راز کی باتیں نہیں کہی جاتیں۔ وہ اپنی بیویوں کو بتاتے ہیں۔ اور بیویاں پڑوسنوں تک پہنچا دیتی ہیں۔ اس طرح شہر میں ڈھنڈورا پٹ جاتا ہے۔

مجھے ایسے تعلقات سے سخت وحشت ہوتی ہے جو کاموں میں حارج ہونے لگیں۔

ج 121

سارے بزرگ کسی عورت ہی کی وجہ سے درجہ بزرگی پر فائز ہوتے ہیں۔ باوا آدم کی طرح براہ راست دست قدرت کی کاوشوں کا نتیجہ نہیں ہے۔ عورت اور مرد کے علاوہ دنیا میں اور رکھا ہی کیا ہے۔ بس مرد ذرا صورت حرام ہوتا ہے۔ اس لیے اس کی تصویر کیا چھاپی جائے۔

ج 122 کے پیشرس سے

اُلّو عشق کا نشان ہے ... جب کوئی عاشق مرتا ہے تو اس کی کھوپڑی تڑخ جاتی ہے اور اس میں سے ایک الو نکل کر عالم بالا کی طرف پرواز کر جاتا ہے۔

ہر آدمی اپنی برائیوں کے لیے کوئی نہ کوئی جواز پیدا ہی کر لیتا ہے! اگر برائیاں اپنے اصل روپ میں لوگوں کو نظر آ جائیں تو ان کی ہمت ہی نہ پڑے ان کی طرف جانے کی۔

اگر تم قانون کو ناقص سمجھتے ہو تو اجتماعی کوششوں سے اسے بدلنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے! اگر اس کی ہمت نہیں ہے تو تمہیں اسی قانون کا پابند رہنا پڑے گا۔ اگر تم اجتماعی حیثیت سے اس کے خلاف آواز نہیں اٹھا سکتے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ تم اس سے نکلنے کی کوشش کرو تو تمہاری سزا موت ہی ہونی چاہیئے!

ج نمبر 72

معدے کی زبان سمجھنے کے لیے زیادہ پڑھا لکھا ہونا ضروری نہیں ہے۔

ج نمبر 73

عورت ناقص العقل ہوتی ہے خواہ اداکارہ ہی کیوں نہ ہو!۔

جاپانی خواتین کو دیکھ کر پاکیزگی کا احساس ہوتا ہے!

ساری دنیا کے افراد امن پسند ہیں جب تک بہکائے نہیں جاتے فرشتوں کی سی زندگی بسر کرتے ہیں اور انہیں بہکانے کی ذمہ داری صرف چند افراد پر ہوتی ہے۔ وہ بڑی عقیدت سے ان دانشوروں کا اُگلا ہوا زہر اپنی روح کی گہرائیوں میں اتار لیتے ہیں

ج 122

آزادی ملی ہے یقیناً ملی ہے! انہیں ملی ہے جنہوں نے آزادی کے لیے قربانیاں دی تھیں۔

ہمارے یہاں کے زیادہ تر جرائم پیشہ لکھ پڑھ نہیں سکتے! بچانوے فیصد جاہل ہوتے ہیں۔ جرائم کی جڑیں دراصل مایوسی میں ملتی ہیں

جس معاشرے کے افراد مستقبل کی طرف سے مایوس ہو جاتے ہیں وہیں جرائم کی گرم بازاری بھی ہو جاتی ہے۔

شبہ بہت بری چیز ہے! اکثر لوگ اپنے متعلق بھی شبہے میں مبتلا ہو جاتے ہیں! لیکن اس سے دنیا کے جغرافیہ میں کوئی تبدیلی نہیں ہوتی۔

چھوٹی طبیعت کے لوگ معمولی ہی قسم کی رشوتوں پر قناعت کر لیتے ہیں۔

ج نمبر 73

تعلقات کسی ضرورت کے تحت ہوتے ہیں۔

مجھے بہت زیادہ آدمیوں سے نفرت ہے!

ج 123

جو قوم کرنسی جیسی نعمت کی حفاظت نہ کر سکے اس کی لاپرواہیوں کا کیا پوچھنا زندگی کا کوئی بھی شعبہ اس کی لاپرواہیوں کا شکار ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔

123 کے پیشرس سے

پھٹے ہوئے نوٹ اس وقت سے زیادہ نظر آنے لگے ہیں جب سے ''ربر بینڈ سسٹم'' رائج ہوا ہے۔ میں نے خود دیکھا ہے کہ لوگ ربر بینڈ چڑھی ہوئی گڈیوں سے نوٹ اس طرح کھینچتے ہیں کہ ان کا پھٹ جانا لازمی ہوتا ہے۔ ہم سے اتنا نہیں ہو سکتا کہ پہلے ربر بینڈ اتاریں پھر جتنے نوٹوں کی ضرورت ہو گڈی سے الگ کر لیں۔ دو تین سیکنڈ کی کاہلی کی بنا پر ایک قومی نقصان کر بیٹھتے ہیں۔ خدا کے لیے ہوش میں آیئے۔ یہی چھوٹی چھوٹی فروگزاشتیں اکٹھا ہو کر پہاڑ بن جاتی ہیں۔ اور پھر ہم بیٹھے سوچا کرتے ہیں کاش آسمان سے کوئی فرشتہ اترے اور اس پہاڑ کو ڈھادے۔

124 کے پیشرس سے

بہرے، بہت مشکل سے سمجھ میں آتے ہیں۔

زیادہ بکواس کرنے والے احمق ہوتے ہیں۔

بھوک آدمی کو شاعر کے بجائے جانور بناتی ہے اس لیے وہ اس سے از خود رفتہ ہو کر شعر نہیں کہتا بلکہ بلیوں کی طرح بے چین ہو کر اپنا آدمی پن بھی بھلا بیٹھتا ہے۔

نیند ایک ایسی مونث ہے جسے شریک حیات ہی نہیں بلکہ شریک ممات بھی کہا جا سکتا ہے کیوں کہ وہ قبر میں بھی ساتھ نہیں چھوڑتی۔

عشق اگر ڈھول بجا بجا کر نہ کیا جائے تو میں اسے عشق ہی نہیں سمجھتا!

بچوں کی طرف سے ضرور مطمئن رہنا چاہیئے۔ وہ باٹا سے بھی عظیم کوئی دوسری کمپنی قائم کریں گے! عورتیں اونچی ہوتی رہیں گی اور مرد زمین میں دفن ہوتے رہیں گے۔ ویسے ہو سکتا ہے اس وقت تک مردوں میں بھی اونچی ایڑیوں کا رواج ہو جائے!

ج نمبر 73

ہم پیشہ لوگ ایک دوسرے کو لوٹا نہیں کرتے۔

بزنس اور چوری کا چولی دامن کا ساتھ ہے۔

بُرے پیشے بھی چند اصولوں ہی کے تحت چلتے ہیں۔

حسن بذات خود ایک مقصد ہے۔

جب تم وابستگی کہتے ہو تو غرض سامنے آ کھڑی ہوتی ہے بے غرض وابستگی۔ دو متضاد الفاظ کا مرکب کہلائے گا۔ جس کے کوئی معنی نہ ہوں گے۔

ج 124

محبت ایسا ہمہ گیر جذبہ ہے.... جذبہ نہیں بلکہ حقیقت کہو جس کے سمجھنے سمجھانے کے لیے نہ کسی فلسفے کی ضرورت ہے اور نہ کتابوں کی!

محکمۂ پولیس میں ایک دعا گو برانچ بھی قائم کی جائے جس سے تعلق رکھنے والے ہر وقت مصلے پر بیٹھے پبلک کے لیے اچھی اچھی دعائیں مانگا کریں۔ .....!

کوتوالی میں غضب کی آنکھوں کا کیا کام البتہ وہاں غضبناک آنکھیں ضرور ملتی ہے۔

سارے ہی کتے بھونکنے والے ہوتے ہیں خواہ آپ انہیں شیکسپیئر کے سارے ڈرامے ہی کیوں نہ رٹوا دیجیئے!

ج نمبر 74

میں تنگ نظر نہیں ہوں۔ اس سچائی پر میری نظر رہتی ہے کہ لہو کا رنگ ایک ہے۔ بعض غلط فہمیوں نے رنگ و نسل کی دیواریں آدمیوں کے درمیان کھڑی کر رکھی ہیں۔

دوستی کے بغیر یہ دنیا تاریک ہوتی۔

جذباتی آدمی کسی قدر مخلص بھی ہوتا ہے اور ٹھنڈے دماغ کے لوگ مصلحت کوش اور خود غرض ہوتے ہیں۔

خود شناسی جہنم کے دھانے کھول دیتی ہے۔ خوش وہی ہیں جو صرف جبلتوں کے تحت زندگی بسر کر رہے ہیں۔

124 ج

عورتیں یونہی پیدائشی مقرر ہوتی ہیں اگر تقریروں کے مقابلے میں حصے لینے لگیں تو پھر کیا پوچھنا!

مرد عورتوں کے معاملے میں ہمیشہ اور ہر دور میں تنگ نظر رہے ہیں۔ دراصل بات یہ ہے کہ وہ ہر حال میں عورت پر اپنی برتری جتانا چاہتے ہیں! اگر انہیں ایسی عورتیں مل جاتی ہیں جو ان کی ذہنی سطح سے بلند ہوں تو وہ انہیں دماغ چاٹنے والی کہہ دیتے ہیں ....

موت کے علاوہ اور کسی معاملے کو نجی یا ذاتی نہیں کہا جا سکتا! مگر نہیں موت بھی کیوں؟ کیا ایک آدمی کی موت کا اثر دوسروں پر نہیں پڑتا کسی نہ کسی صورت میں دوسرے آدمی بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں لہٰذا موت بھی نجی یا ذاتی نہیں ہے! میرا بس چلے تو نجی اور ذاتی جیسے الفاظ کو ڈکشنری سے خارج کرادوں!

ج نمبر 74

ہوائی سفر کے دوران میں عشق کرنے کی صلاحیت بالکل ختم ہو جاتی ہے۔

ج نمبر 75

بے وقوف مرد ہر عورت کی کمزوری ہے۔

احمق ہونا میری دانست میں شرافت کی معراج ہے۔

صفحہ 70 — 124 ج

قوم کے لیے اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کر سکتا کہ دعا کروں۔ اے اللہ اس قوم کو ایک ایک آزاد اور منفرد قوم کی حیثیت سے ہمیشہ قائم رکھیو۔"

ج125 کے پیشرس سے

عورت کے ہاتھوں پٹنا اور بیوی کو پیٹ ڈالنا آرٹ ہے۔

عورتیں معلومات کا بہترین ذریعہ ہیں۔

ن 125

احمقوں سے دنیا کے ہر گوشے میں حماقتیں سرزد ہو سکتی ہیں۔

ج نمبر 75

مشرق ہم سے کمتر نہیں ہے بلکہ اسے آگے بڑھنے کا موقع ہی نہیں مل سکا۔ صدیوں سے سفید فام قومیں اسے اپنی غلامی کی زنجیروں میں جکڑے رہی ہیں اور انہوں نے اسے ابھرنے نہیں دیا! لیکن اب وہ بھی آہستہ آہستہ بیدار ہو رہا تھا۔

یہ مشرقی آدمی عموماً بدنما مٹی کے ڈھیر معلوم ہوتے ہیں لیکن جب انہیں کریدو تو ایسے جواہرات نکلتے ہیں کہ آنکھیں چندھیا جائیں۔

میں جب بھی کسی مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنے کی کوشش کرتا ہوں۔ میرا معدہ خراب ہو جاتا ہے۔

مقدرات نہیں ٹلتے! اور جب ستارے گردش میں آتے ہیں تو اونچا سے اونچا آدمی بھی مینڈکوں کے سے انداز میں سوچنے لگتا ہے۔

ج نمبر 75

انسانیت سے بالاتر الوہیت ہی ہو سکتی ہے اور وعدہ خلافی انسانیت سے بعید ہے۔

آدمی نے بے حد ترقی کی ہے۔ اپنے وجود سے لے کر خلاء تک کو کھنگال ڈالا ہے لیکن اس معاملے میں بچہ ہی بنا رہنا چاہتا ہے۔ ایک احمقانہ تگ ودو کو عشق کا نام دے کر اس سے لذت اندوز ہوتے رہنا چاہتا ہے حالانکہ فطرت کا مقصد صرف اتنا ہی ہے کہ وہ دو سے تین ہو جائے۔

حماقتوں میں تو بہت زیادہ سوچ اور سمجھ کو دخل ہوتا ہے۔ ہر احمق یہ سمجھتا ہے کہ اس نے افلاطون کے قبر پر لات ماردی ہے۔ لیکن اپنے افعال کی پرکھ اس کے ذمے نہیں ہوتی۔ دوسرے اس کا فیصلہ کرتے ہیں کہ فعل دانشمندانہ تھا یا احمقانہ۔

ج 125

جب کوئی بات سیدھی طرح سمجھ میں نہیں آتی تو الٹ کر سوچنے لگتا ہوں اگر تمہیں بھی اس قسم کی کوئی دشواری پیش آئے تو یہی کرنا۔

شادی شاید اس چڑیا کو کہتے ہیں جو رات کو بولتی ہے اور دن کو کہیں نہیں دکھائی دیتی۔

بعض اوقات تو صحیح بھی غلط ہو جاتا ہے۔

عورت ہمارے ساتھ ہے۔ اس لیے رحمت کے فرشتے دور ہی بھاگیں گے۔

تمہیں زیادہ سے زیادہ وقت کسی کام پر صرف کرنا چاہیئے۔

ہم مشرقی ہوتے ہی گھٹیا ہیں۔

ج نمبر 75

ہم سب کسی نہ کسی طرح اور کہیں نہ کہیں ضعیف الاعتقاد ضرور ثابت ہوتے ہیں۔

لوگوں کو سمجھنے کے لیے ایک عمر درکار ہوتی ہے۔

میں صرف محبت کرنے کے لیے پیدا ہوا ہوں اور محبت کرنے والے بناتے ہیں بگاڑا نہیں کرتے۔

کمینہ پن جسم کی رنگت نہیں ہے کہ اس سے پیچھا نہ چھڑایا جا سکے۔

میں زندہ دلی کو کمینہ پن نہیں سمجھتا۔

ج 125

دنیا میں کروڑوں ناکام محبت گزرے ہیں۔ صبر کرو! صبر کا پھل میٹھا ہوتا ہے۔

ج نمبر 75

بہتیری عادتوں کا کوئی جواز نہیں ہوتا۔

دولت ہی کے لیے دنیا کا بڑے سے بڑا جرم کیا جاتا ہے اور محکمۂ سراغرسانی کے قیام کی ضرورت محسوس کی جاتی ہے۔

گدھوں کو دیکھ کر میں ہمیشہ سنجیدہ ہو جاتا ہوں۔

جلد بازی اچھی نہیں ہوتی۔

آدمی کتنا گر سکتا ہے اس کا اندازہ کرنا بہت مشکل ہے۔

شاید ہی کسی کو اس پر یقین آئے مگر دنیا کی وہ بڑی طاقتیں جو اپنے اقتدار کے لیے آپس میں رسہ کشی کر رہی ہیں اس سے بھی زیادہ گر سکتی ہیں۔ ان کے بلند بانگ نعرے جو انسانیت کا بول بالا کرنے والے کہلاتے ہیں کتنے زہر آلود ہیں اس کا اندازہ مشکل ہے۔

ج نمبر 76

اپنے وجود ہی کی مستی کیا کم ہے کہ کسی نشے کا سہارا لیا جائے۔

میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ہر خوبصورت لڑکی حشر تک زندہ رہے۔

نشے بازوں کی کوئی قوت ارادی نہیں ہوتی۔

حرکت کا نام زندگی ہے۔ قیام تو موت کے بعد ہوتا ہے۔

مفروضات بسا اوقات حقیقت سے بہت دور لے جاتے ہیں۔

ج 125

بڑی طاقتیں اسی طرح تو ایشیا پر سکہ جما رہی ہیں۔ کہیں غلہ تقسیم ہو رہا ہے کہیں کپڑے بانٹے جا رہے ہیں اور کہیں کسی دباؤ کا خاتمہ کرنے کے لیے مفت دوائیں بھاری مقدار میں تقسیم کی جا رہی ہیں۔ جہاں ان چیزوں کی ضرورت نہیں ہوتی' وہاں بھی ضرورت پیدا کر لی جاتی ہے۔ طریقہ یہی ہوتا ہے' جو ہمارے یہاں اختیار کیا گیا تھا۔ مصنوعی قحط پیدا کیے جاتے ہیں۔ مصنوعی وبائیں پوری پوری بستیوں پر دھاوا بول دیتی ہیں اور پھر یہ فرشتے آ کر ہمارے آنسو بھی پونچھتے ہیں' اور ہماری دعائیں بھی لے جاتے ہیں۔ کتنا کمینہ ہے آدمی .... ذرا سوچو تو۔ کیا وہ کتوں کے ساتھ بھی باندھے جانے کے لائق ہے۔

ج نمبر 76

چالاک مجرم بڑے سے بڑے جرم کے مرتکب ہونے کے باوجود بھی قانون کی دسترس سے باہر ہی رہتے ہیں ان کا طریق کار انوکھا ہوتا ہے! وہ قانون کے محافظوں ہی سے قانون شکنیاں کراتے ہیں۔ اس طرح کہ قانون کے محافظوں کو اس کا احساس تک نہیں ہونے پاتا کہ ان سے قانون شکنی سرزد ہو رہی ہے اور وہ مجرم کو انتہائی معصوم سمجھ کر اس کی قدر بھی کرتے رہتے ہیں۔

ج نمبر 77 کے پیشرس سے

قضا و قدر کے معاملات میں کون دخیل ہو سکتا ہے۔ ہم اپنے ارادے سے مر بھی نہیں سکتے۔

یہاں کوشش کے بغیر کچھ بھی نہیں ہوتا۔

دین داری محض عبادت نہیں ہے۔ اصل دین داری عبادت کے بعد شروع ہوتی ہے۔ اگر عبادت آدمی کو آدمی نہیں بنا سکتی تو میں اس عبادت کے سلسلے میں اپنی رائے محفوظ رکھنے پر مجبور ہوں۔

غلط راستوں پر پڑ کر آدمی ایسی ہی تباہیوں کو دعوت دیتا ہے کہ وہ اپنے زعم میں یہی سوچتا رہ جاتا ہے کہ اس کا بال تک بیکا نہیں ہوگا اور قدرت اسے اسی کے انجام تک پہنچا دیتی ہے۔ اور اس کے لواحقین کی گردنیں جھک جاتی ہیں۔

ہر مجرم اپنا پلان اسی توقع پر بناتا ہے کہ وہ کسی طرح قانون کی گرفت میں نہیں آسکے گا۔

ج 125

دولت کی ہوس آدمی کو اندھا بنا دیتی ہے! لیکن اسے سوچنا چاہیئے کہ چیونٹیاں بھی اندھی ہوتی ہیں اور ان میں بھی ذخیرہ اندوزی کی جبلّت پائی جاتی ہے۔ پھر کیا آدمی کو یہ سب زیب دیتا ہے کہ وہ چیونٹیوں کی صف میں آ کھڑا ہو۔ دولت مند بننے کی خواہش گناہ نہیں ہے لیکن حصولِ دولت کے لیے قانون کی حدود سے گزر جانا یقینی طور پر اندھی چیونٹیوں ہی کی طرح حقیر ہو جانا ہے!

ج نمبر 77 کے پیشرس سے

ایک قہقہہ جو دل کی گہرائیوں سے نکلا ہو ساری ذہنی تھکن دور کر دیتا ہے۔

میرا نظریہ ہے کہ ہر عورت خوب صورت ہوتی ہے۔ خواہ وہ افریقہ میں پیدا ہوئی ہو، خواہ فرانس میں!

چیونٹی بھی ایک دن خطرناک ہو سکتی ہے۔

شرافت اور انسانیت پر میں بھی گھنٹوں دوسروں کو بور کر سکتا ہوں کیوں کہ آرام کرسی پر لیٹ کر بکواس کرنے میں ذرّہ برابر بھی محنت نہیں صرف ہوتی۔ مگر میں اسے بہتر سمجھتا ہوں کہ شرافت اور انسانیت پر لیکچر دینے ی بجائے کسی کا گلا گھونٹ کر اسے ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی بکواس سے نجات دلا دوں۔ یہ واقعی ایک اچھا اور ثواب کا کام ہوگا۔

کسی جھوٹ کو نبھانے کے لیے مزید جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔

یہ پریس رپورٹر نہ جانے کیوں مجھے بالکل گدھ معلوم ہوتے ہیں ڈنگر مر گیا چلو نوچیں۔

کسی جھوٹ کو نبھانے کے لئے مزید جھوٹ بولنے پڑتے ہیں۔

ج نمبر 77

شکست اندازے کی غلطی ہی کا نتیجہ ہوتی ہے۔

مقدرات اٹل ہوتے ہیں۔

ہر چمک دار چیز سونا نہیں ہوتی۔

گاؤدی قسم کے لوگوں میں مجرمانہ رجحانات شاذونادر ہی پائے جاتے ہیں۔

حُسن جہاں بھی نظر آئے اسے پوجنا ہی چاہیئے۔ خواہ وہ کتے کے پلے ہی میں کیوں نہ نظر آئے۔

پچیس سال سے پہلے لڑکیوں کو عقل نہیں آتی اور والدین کا یہ عالم ہے کہ وہ ان کی طرف سے آنکھیں بند کر لیتے ہیں۔ یا پھر ان کے اذہان پر غلط قسم کے مغربیت طاری ہوتی ہے یا پھر وہ اس کے قائل ہوتے ہیں کہ پودوں کے پھیلنے اور بڑھنے کے لیے کھلی ہوا اور روشنی ضروری ہے۔ مگر مثال برائے مثال ہی ہونی چاہیئے! آدمی پودا نہیں ہے! پابندیوں ہی میں ان کی نشوونما بہتر طور پر ہو سکتی ہے کیوں کہ پابندیوں ہی نے اسے ادنیٰ حیوان سے آدمی بنایا تھا اور پابندیاں ہی اس میں سلامت روی برقرار رکھ سکتی ہیں۔

ج نمبر 78

ہر قوم کا مزاج جداگانہ ہوتا ہے۔ ضروری نہیں ہے، ہم بھی وہی پسند کریں، جو دوسری قومیں پسند کرتی ہیں۔

جس طرح ڈھول دھپہ بجائے خود ایک چیز ہے، اسی طرح اس سے لطف اندوز ہونا بھی ایک ایسی خواہش ہے، جس کا ختم ہو جانا بھی انسانیت کی سربلندیوں کا باعث بن سکتا ہے۔ ویسے یہ تو آپ جانتے ہی ہیں کہ یہ خواہش ایک حیوانی جبلت سے تعلق رکھتی ہے، جس کی تہذیب آج تک نہیں ہو سکی! میں نے بہت ہی سنجیدہ آدمیوں کو بھی جھگڑے کی آوازوں میں لپکتے دیکھا ہے! اور ''معاملہ'' آگے نہ بڑھتے دیکھ کر ان کی آنکھوں میں مایوسی بھی پڑھی ہے! ''ڈھول دھپہ پسندی'' فطری چیز ہے، لیکن اس حیوانی جبلت کی تہذیب ہونی ہی چاہیئے۔

فن کاروں کے یہاں تکلفات کو دخل نہ ہونا چاہیئے۔

لوگ عموماً یہ سمجھتے ہیں کہ جیسے بگڑا شاعر مرثیہ گوئی اختیار کرتا ہے۔ اسی طرح نااہل مصور کارٹونسٹ بن جاتے ہیں، حالانکہ یہ غلط ہے۔ اچھے کارٹونسٹ کے لیے ضروری ہے کہ وہ اعلیٰ

درجہ کا مصور بھی ہو، ورنہ اچھا کارٹونسٹ ہو ہی نہیں سکتا! بالکل اسی طرح جیسے گھٹیا قسم کے انشا پرداز مزاح نگار نہیں ہو سکتے۔

لوگ اس سے محض اس لیے نفرت کرتے رہے کہ یہ بدصورت تھا! چلو نفرت کر لیتے مگر اس کا اظہار کرنا کیا ضروری تھا! اور پھر تمہیں کب حق پہنچتا ہے کہ خدا کی بنائی ہوئی شکلوں سے نفرت ظاہر کرو جب کہ تم ان سے بدترین بھی بنانے پر قادر نہیں ہو! آدمی نے خود ہی اپنی زندگی میں زہر بھرا ہے اور خود ہی تریاق کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ وہ خدا تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے، لیکن اپنے پڑوسی تک بھی اس کی پہنچ نہیں ہے۔ پڑوسی سے اس لیے متنفر ہے کہ وہ بدشکل ہے۔ حسن ازل سے آنکھیں سینکنا چاہتا ہے۔ لیکن وہ اندھا ہے.... اگر اسے بدصورتی ہی میں وہ جلوہ نہیں نظر آتا جس کی اسے تلاش ہے۔ یا خدا... آدمی کو عقل دے .... انسانیت کا مستقبل محفوظ کر!

ج نمبر 80

یہاں اس دنیا میں کون ہے جو کسی نہ کسی طرح دوسروں کو دھوکا نہیں دیتا۔

ج نمبر 81

زیادہ لمبی اُڑان اکثر بڑی تیزی سے نیچے لاتی ہے۔

آدمی بھی کتنا عجیب جانور ہے ... جو صرف بچانے کے لیے بچاتا ہے ...

زیادہ بکواس کا نتیجہ مہملیات ہی کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

میں خود کو بے بس سمجھنے کا عادی نہیں ہوں۔

ج نمبر 82

موت کی تلاش میں رہنے والوں سے موت ہمیشہ دور بھاگتی ہے یا کم از کم ویسی موت تو انہیں کبھی نہیں نصیب ہوتی جیسی وہ چاہتے ہیں۔

اُلّو کو ہمیشہ الو ہی اہمیت دے سکتے ہیں۔

لڑکیوں کا کوئی مقام نہیں ہوتا! وہ تو کائناتی ہوتی ہیں کبھی بادلوں سے جھانکتی ہیں! کبھی چاند اور ستاروں میں بیٹھ کر ستار بجاتی ہیں! مگر آج کل ناخن بڑھانے لگی ہیں اس لیے روٹیاں نہیں پکا سکتیں۔

ج نمبر 83

کمزور آدمیوں پر ظلم کرنا اچھی بات نہیں ہے۔

یکسانیت سے اکتا کر آدمی جائے گا کہاں۔ ہاں اگر وہ اپنی کھال چھوڑ کر بھاگ سکے یا اپنی ہڈیوں کے پنجرے سے نکل سکے تو میں یہ کہوں گا کہ وہ یکسانیت سے نجات پا سکا ہے۔

ج نمبر 81

ہائے دل کو کیا کہوں! یہ بعض اوقات آدمی کو دو کوڑی کا بھی نہیں رکھتا۔

زندہ رہنے کے لیے اپنی کھال پر کتنی تہیں چڑھانی پڑتی ہیں! یہ اور بات ہے کہ روح کی کراہ قہقہوں سے بھی جھانکتی رہے ......

خیالات حالات کے پابند ہیں! کسی بھی معاملے میں جیسے جیسے اس سے متعلق نئے حالات سامنے آتے ہیں! خیالات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے۔

ج نمبر 82

دنیا کے ہر فلسفے کی ابتداء شک ہی سے ہوتی ہے۔

میرے لیے ہر وہ چیز جو کھودا پہاڑ اور نکلا چوہا کے مصداق ہو فلسفے کا درجہ رکھتی ہے۔

ہر وہ شخص فلسفی ہے، جو صرف باتیں ہی کر سکتا ہو!

وہم بہت بری بیماری ہے!

لڑکیوں کی موجودگی میں انتہائی سنجیدہ لوگ بھی شیخیاں بگھارنے لگتے ہیں!

ج نمبر 84

دشمن کو حقیر سمجھنا نادانی ہے۔

دنیا کی ہر عورت بحیثیت بیوی کریک ہوتی ہے۔

ج نمبر 59

بھوک کے عالم میں بکواس کرنے سے سارا زور خالی معدے پر پڑتا ہے اور قلب الٹنے لگتا ہے۔

ناگن ہر حال میں زہریلی ہوتی ہے! عورت ناگن ہی کہلاتی ہے نا!

جھوٹ بولنے کے لیے صرف زبان ہی ہلانی پڑتی ہے

لڑائی بھڑائی سے زیادہ تر ہاضمے پر برا اثر پڑتا ہے اور معدے کے انجرات ایسی صورت میں عموماً دماغ ہی کی طرف ہوتے ہیں اس لیے ذہنی پراگندگی پر بے ہوشی کا اطلاق بھی ہو سکتا

ہے اور اسے بے ہوشی ہی کہیں گے کہ آدمی کوئی ڈھنگ کی بات سوچنے کے قابل نہ رہ جائے۔

ذاتی تجربات ہی مجھے کسی امر کا یقین دلاتے ہیں۔

ج نمبر 83

انسانیت کا یہ مطلب تو نہیں ہے کہ کسی سردی کھائے ہوئے سانپ کو چھاتی سے لگا کر گرمی پہنچائی جائے۔

موت تو بڑی آسان چیز ہے۔

دنیا میں مختلف قسم کے فلسفیوں نے بڑی تباہی پھیلائی ہے۔ فلسفہ ذہین آدمی کے احساس کمتری کی تخلیق ہے جب وہ کسی خاص ماحول میں خود کو دوسروں سے کمتر محسوس کرتا ہے تو اس کا ذہن اس ماحول اور نظام کے خلاف ایک نیا فلسفہ ڈھالنا شروع کر دیتا ہے۔

دنیا میں شاید ہی کوئی ایسا دل ہو جسے محبت سے خالی کہا جا سکے۔

عورتوں کی ہم نشینی سے خدا ہر شریف آدمی کو محفوظ رکھے۔

اگر تم خود کو سمجھنے کی کوشش کرو۔ تب بھی کام کے آدمی ہو سکتے ہو۔

طاقت کا صحیح مظاہرہ یہ نہیں ہے کہ تم کمزوروں کو مسل دو۔ بلکہ طاقت کا صحیح مظاہرہ اس وقت ہوتا ہے جب ہم اپنے ہم نفس سے جنگ کرتے ہیں۔ اپنے اندر بپھرے ہوئے وحشی کو ابھرنے نہیں دیتے۔ جب تک کہ افراد کی داخلی تنظیم اس نظریئے کے تحت نہ ہوگی۔ بہتر سے بہتر نظام حیات بھی دیرپا نہ ثابت ہو سکے گا۔ تم آج ایک نظام سے اکتا کر دوسرے نظام کی بنیادیں

رکھتے ہو مگر کل وہ بھی ڈھیر ہو جائے گا۔ کیوں کہ بنیاد اسی پرانی زمین پر رکھ رہے ہو جس کے نیچے آتش فشاں پہاڑ سوتے ہیں۔ پہلے اس آتش فشاں کو ٹھنڈا کرو۔

ج نمبر 59

میں معمولی آدمیوں کی طرح زندہ رہنا چاہتا ہوں۔ وقار کے جراثیم ٹی بی کے جراثیم سے بھی زیادہ مہلک ہوتے ہیں۔

جب دنیا کا خاتمہ ہونے لگے گا' جب تم بے یار و مددگار ہو گے...

اسے ہمیشہ یاد رکھیے کہ بھوکے رہنے سے معدہ کبھی خراب نہیں ہوتا اور ننگے رہنے سے جسم میں قوت آتی ہے۔ ہر وقت کھلی اور تازہ ہوا نصیب ہوتی ہے' اس لیے خود بھی ننگے رہیے اور اپنے بال بچوں کو بھی ننگا رکھیے....

بُرے آدمیوں میں بھی آپس داری کے کچھ اصول ہوتے ہیں۔

ج نمبر 61

ناول کی ''پرنٹ لائن'' کے لئے ابنِ صفیؒ کا آئیڈیا

پہلا صفحہ:

☆ عمران سیریز کا فلاں تحیر خیز اور قہقہہ انگیز ناول.... مزہ نہ آئے تو ایمان دھرم سے لکھ دینے پر آدھی قیمت واپس۔

☆ خدا کی قسم اس ناول کا نام ''قاصد کی تلاش'' ہے۔

☆ مصنف ابن صفی (بی اے) کے دم چھلے سمیت ... خدا رحم کرے اس ذہنیت پر۔

☆ دفتر اس کھیت میں پایا جاتا ہے جہاں آدمیوں کی کاشت ہوتی ہے' مزید آسانیوں کے لیے قبرستان بھی قریب ہے۔

دوسرا صفحہ:

☆ جملہ حقوق بالکل محفوظ ہیں .... اگر یقین نہ آئے تو دفتر آ کر زبانی پوچھ جائیے۔ آمدورفت کا کرایہ ہمارے ذمہ۔

☆ بھارت میں حقوق اشاعت عباس حسینی صاحب کے نام محفوظ ہیں یقین نہ آئے تو انہیں ایک بیرنگ خط بھیج کر دریافت کر لیجیے اور اس وقت تک بیرنگ خطوط بھیجتے رہیے جب تک جواب نہ آ جائے۔

☆ خدا کو حاضر ناظر جان کر کہا جاتا ہے کہ اس ناول کے نام مقام کردار اور کہانی سے تعلق رکھنے والے اداروں کے نام قطعی فرضی ہیں۔ اگر اس حلفیہ بیان پر آپ کو یقین نہ آئے تو صبر کیجیے۔

- قیمت ایک روپیہ سے ایک پیسہ کم نہ ہوگی۔ بھنی کا پہر ہے بور نہ کیجیے۔
- زرسالانہ مع رجسٹری خرچ مبلغ گیارہ روپے (لائبریریوں سے مبلغ پانچ روپے زائد یعنی سولہ روپے کیوں کہ لائبریری والے ایک روپیہ سے نہ جانے کتنے روپے بنا لیتے ہیں۔
- ممالک غیر سے سترہ شلنگ (ہمیں نہیں معلوم کہ ایک روپے میں کتنے شلنگ ہوتے ہیں۔ اللہ کے بھروسے پر سترہ شلنگ لکھ دیے جاتے ہیں)
- بیچارے ابن صفی پرنٹر پبلشر (شامت اعمال سے) نے دفتر سے فلاں پریس تک کئی روز جوتیاں چٹخانے کے بعد بہزار دقت چھپوایا اور فلاں فلاں مقام سے رو رو کر شائع کیا.... رویا اس لیے کہ ہر جزو کا ایک آدھ صفحہ ضرور اڑا ہوا نظر آیا۔ پریس والوں سے شکایت کی تو بولے کتابت درست نہیں تھی۔ کاتب سے کہیے کہ گاڑھی روشنائی استعمال کرے' کاتب تک ان کا پیغام پہنچایا تو بڑی حیرت سے بولے کہ ارے آپ اس پریس میں چھپواتے ہیں وہاں تو ساری مشینیں چوپٹ ہیں' میں اتنی گاڑھی روشنائی استعمال کرتا ہوں کہ اگر آپ کے چہرے پر اس کا پلاسٹر کر دیا جائے تو کم از کم چھ ماہ تک آپ کسی کو منہ دکھانے کے قابل نہ رہیں۔

ع' قاصد کی تلاش کے پیشرس سے

ضمیر کا گلا گھونٹنے سے روح مردہ ہو جاتی ہے پھر مردہ روح کو لے کر جینے سے فائدہ۔

اگر آدمی مغموم نہ ہو تو یہ بھی ضروری نہیں کہ خوش ہی ہو! اسے غصہ بھی آ سکتا ہے اور وہ لفنگوں کی طرح گالیاں بھی بک سکتا ہے۔

آدمی خواہ کتنا ہی اونچا کیوں نہ ہو۔ اگر معاشرہ کے لیے نقصان دہ ہے تو چیونٹی کی طرح ایک نہ ایک دن ضرور خاک میں مل جائے گا۔

ہر آدمی کے ساتھ کچھ کمزوریاں ہیں جو اسے زندگی بھر خود کو چور محسوس کرنے پر مجبور کرتی رہتی ہیں!

زندگی صرف ایک رقص ہے .....رقص مجبوری .... جیسے کوئی کوڑے مار مار کر کہہ رہا ہو' ناچو۔ ناچتے جاؤ ...

ج نمبر 87

موسم بھی اسی جہان آب و گل کی پیداوار ہیں جس نے آدمی کو جنم دیا ہے۔

بے وقوف یا عقلمند پیدائشی ہوا کرتے ہیں۔

ج نمبر 62

دنیا کی ساری نعمتیں صرف عورتوں ہی کے لیے ہیں۔

ج نمبر 61

زیادہ ہنسنے سے آدمی نڈھال ہو جاتا ہے۔

خدا کی پناہ اس سائنسی عہد میں بھی ہم شاعروں کے علاوہ اور کچھ نہیں پیدا کر رہے!

اللہ ناٹے کو لمبی اور لمبے کو ناٹی عورت سے بچائے .....

ج نمبر 86

پیروں کو زیادہ سے زیادہ تکلیف دینا صحت کے لیے بے حد مفید ہے۔

بے اطمینانی زمین پر جنت نہیں تعمیر کرتی ہے!

ج نمبر 88

تھکن تو زندگی کے ساتھ ہے۔

دنیا کا ہر آدمی دوسرے پر اپنی برتری ضرور جتانا چاہتا ہے۔

آپ کسی ایسے آدمی کو کیا کہیں گے جو موقعہ سے فائدہ نہ اٹھائے۔

دنیا کے سارے آدمی بھائی ہیں۔ کوئی کالی مٹی سے بنا ہے اور کوئی سفید مٹی سے۔ زمین ایک ہی ہے اور اس پر چھایا ہوا آسمان بھی مختلف حصوں میں تقسیم نہیں ہے۔

ج نمبر 63

انسانیت کی حدود وہیں ختم ہو گئی تھی۔ جہاں اسے سولی پر چڑھایا گیا تھا۔

بکرا پالنے سے دراصل بچت ہوتی ہے... کیوں گوشت کے مقابلے میں گھاس بہت سستی ملتی ہے۔ کتا پالیے تو گوشت کا مسئلہ ہے۔ پھر اسے روزانہ نہلائیے دھلائیے۔ بکرے کو کبھی نہ نہلایئے اسے کوئی شکایت نہ ہوگی۔ کہیں سفر میں ہوں اور کھانے کو کچھ نہ ملے تو بکرے کو ذبح کیجئے اور نہایت اطمینان سے کباب لگائیے۔ آپ روزانہ کتے کا پیٹ بھرتی ہیں لیکن کیا وہ آپ کے لیے ایک وقت کا بھی کھانا مہیا کر سکتا ہے۔ ہرگز نہیں اور پھر بکرے کی

صحبت آدمی کو حلیم اور بردبار بناتی ہے۔

ج نمبر 2؛

میرے معبود! کیا آدمی سے زیادہ وحشی جانور بھی تو نے پیدا کیئے ہوں گے؟

بھوک کی شدت میں اکثر پہلا ہی نوالہ ذہن پر کچھ ایسے ناگوار اثرات مرتسم کرتا ہے کہ کھانے سے توبہ ہی کرتے بن پڑتی ہے۔

ج نمبر 88

جنسیت سے دامن بچانا ناممکن ہے۔ کوئی بھی اس سے کترا کر نکل ہی نہیں سکتا! البتہ کچھ ''مادر پدر آزاد'' ہو جاتے ہیں اور کچھ کسی قدر ''ملفوف'' ہو کر اس کے قریب سے گزرتے ہیں۔

ج نمبر 89 کے پیشرس سے

ان پڑھی لکھی لڑکیوں کی فحاشی آرٹ کہلاتی ہے اور اگر یہ کسی سے جنسی تعلق قائم کر لیں تو اسے فن کہیں گے۔ عربی کا ''فن'' نہیں انگریزی کا، ایف۔ یو۔ این 'فن'!

ہر آدمی اپنے ماحول سے اکتایا ہوا ہے۔

ان کی کتوں کی سی زندگی ہوتی ہے کسی ریاست میں بسنے والوں کی؛ جن کی گردنوں میں خوش رنگ پٹے ہوں۔ اور دونوں وقت پابندی سے راتب بھی مل جاتا ہو!

تجسس کی جبلت مرتے دم تک زندہ رہتی ہے آدمی اس وقت بھی متجسس رہا ہے جب وہ غریب اپنی اس جبلت کو کوئی مخصوص نام دینے کا سلیقہ نہیں رکھتا تھا۔

ادب کی زندگی یا موت کا پیمانہ آدمی ہے لہٰذا آدمی کی مختلف قسم کی صلاحیتوں کے انحطاط

کے ساتھ ہی مختلف قسم ۔ کا ادب کا بھی تیا پانچہ ہوتا رہتا ہے۔ بہتیرے لوگوں کو جوانی کی بد اعمالیوں کی یہ سزا ملتی ہے کہ وہ بڑھاپے میں صوفی ہو جاتے ہیں! چلئے صاحب ہوئیں پُر شباب قسم کی گرما گرم کہانیاں! اب وہ مذہبی کتب کی تلاش میں سرگرداں نظر آئیں گے یا پھر ایسی کتابیں ٹٹولتے پھریں گے، جو انہیں ''مجاز'' سے حقیقت تک پہنچا دیں۔ (جوانی میں چلتے تو ہیں مجاز ہی کے سہارے لیکن حقیقتاً جنسی ناکارگی تک جا پہنچتے ہیں۔

ج نمبر 89

تجسس کی جبلت مرتے دم تک قائم رہتی ہے کچھ نہیں تو مرنے والا یہی سوچنے لگتا ہے کہ دیکھیں اب دم نکلنے کے بعد کیا ہوتا ہے' اس لیے اسی جبلت کی تسکین فراہم کرنے والا ادب بھی ہمیشہ زندہ رہے گا۔

ج 89 کے پیشرس سے

یہ زندگی الفاظ ہی کا تو کھیل ہے۔

خدا جاہل والدین سے بچائے۔

بیوی مکمل ہی نہیں ہوتی جب تک شوہر کو احمق نہ سمجھنا شروع کر دے۔ یہ ایک آفاقی حقیقت ہے۔ ملٹن کو زندگی بھر اس کا گہرا صدمہ رہا کہ اس کی بیوی اس کے سے جینئس آدمی کو بالکل چغد سمجھتی ہے۔ ٹالسٹوائے کی بیوی اسے اس قابل بھی نہیں سمجھتی تھی کہ وہ کسی معزز آدمی سے گفتگو بھی کر سکے۔

میں ان مجرموں کو احمق ہی سمجھتا ہوں' جو پولیس کو مرعوب کرنے کی کوشش کریں۔

اپنے یہاں تو بے حد پڑھے لکھے لوگ بھی جنسی معاملات میں سڑی بسی دقیانوسی قسم کی بوڑھیوں کی سی ذہنیت رکھتے ہیں۔ کسی لڑکی کو کسی لڑکے سے ہنستے بولتے دیکھا اور خود ان کے

دل کے چور نے نعرہ لگایا ''پھنس گئی'' کیا کہا جائے اس بے ہودگی کو!

انسانیت کا احترام کرو۔

زندہ رہنے کے لیے سب کچھ گوارا کرنا پڑتا ہے۔

دل پھینک مرد دل پھینک لڑکیوں کو قطعی پسند نہیں کرتے۔

جس طرح ڈاکٹر سے مرض کے متعلق کچھ چھپانا خطرناک ہوتا ہے۔ اسی طرح پولیس سے جرم کے متعلق چھپانا۔

یورپ کی نقالی کے معاملے میں ہم لوگ بالکل گدھے واقع ہوئے ہیں یورپ کے بعض مقامات پر مئی کا مہینہ موسم بہار لاتا ہے۔ بڑا خوش گوار ہوتا ہے..... یہاں تو مئی جون میں تیل نکلتا رہتا ہے۔

ج نمبر 89

آدمی شیطان بن سکتا ہے لیکن شیطان کبھی آدمی نہیں بن سکتا۔

گدھوں میں آدمیت نہیں ہوتی اسی لیے مجھے گدھے پسند ہیں۔

ج نمبر 64

ابھی حال ہی میں افسانہ نگاری شروع کی تھی کہ یہ بڑی اطلاع ملی۔ کل شام ریڈیو پر چند جغادری قسم کے ادیب ایک عدد محترمہ 'اردو افسانہ کے انحطاط کے اسباب تلاش کر رہے تھے۔ ایک بزرگ بولے 'جاسوسی ناولوں کی وجہ سے لوگ مختصر افسانے سے بے توجہی برت رہے

ہیں'۔محترمہ حقارت سے ہنس کر بولیں۔'اور یہ ناول بھی انگریزی کا چربہ ہوتے ہیں۔'میں نے دل میں کہا! 'محترمہ ہمارا معاشرہ ہی جب انگریزی کا چربہ بنتا جارہا ہے تو پھر یہ ناول کیوں نہ ہوں۔ویسے ان جغادری ادیبوں میں ایک صاحب ایسے بھی تھے جو واشنگٹن ارونگ کے انداز بیان اور جان رسکن کے طرز انتقاد کی نقالی کر کے جغادری ادیب بنے ہیں۔بس یہی کہنا پڑتا ہے کہ اگر وہ خدا کے وجود کے قائل ہوں تو خدا ان کی مغفرت فرمائے۔

ج نمبر 90

عشق بجائے خود ایک بہت بڑا کام ہے کیا آپ نے وہ شعر نہیں سنا۔

دلوں کو فکر دو عالم سے کردیا آزاد
تیرے جنوں کا خدا سلسلہ دراز کرے

دوسروں کی باتیں چھپ کر سننا اور پھر اسے اِدھر اُدھر کہتے پھرنا بہت بڑا گناہ ہے۔جو کبھی معاف نہیں ہوتا۔

کوشش ناممکن کو بھی ممکن بنا دیتی ہے۔نپولین کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کیجیے۔

ہماری زمین کے سینے میں کیا نہیں ہے مگر ہم مفلس ہیں .... کاہل ہیں .... ہمیں باتیں بنانی آتی ہیں۔ہم تقریریں کر سکتے ہیں ایک دوسرے پر اپنی ذہنی برتری کا رعب ڈال سکتے ہیں۔ایک دوسرے کی جڑیں کاٹنے کے لیے اپنی بہترین ذہنی صلاحیتیں ضائع کر سکتے ہیں۔لیکن ہم سے تعمیری کام نہیں ہو سکتے۔

ج نمبر 64

یہ بیسویں صدی ہے .... ناچو .... ناچتے رہو۔ایک آدمی کی موت پر مغموم ہو کر کیا کرو گے۔ہو سکتا ہے کل تم سب بھی جانوروں کی طرح مر جاؤ۔ہائیڈروجن بموں کے تجربات سے پھیلنے والی وبائیں تمہیں چٹ کر جائیں۔تم سب ایک ایسی کشتی میں سوار ہو جو ڈوبنے والی

ہے۔ پھر کسی دوسرے کے متعلق سوچ کر کیا کرو گے۔ اپنی اپنی فکر کرو۔ تم مستقبل سے مایوس ہو، اس لیے تمہاری نظروں میں کسی چیز کی بھی کوئی اہمیت نہیں رہ گئی۔ تم سب اس بہت بڑے دھماکے کے منتظر ہو جس سے بھاگ کر کہیں نہ جا سکو گے .... ناچو .... ناچتے رہو .... کل زمین کے چیتھڑے اڑ جائیں گے۔ میٹھے پانی کے چشموں سے زہر ابلے گا... ناچو.... مستقبل سے بے پرواہ ہو کر ناچو کیوں کہ مستقبل صرف ایک دھماکہ ہے، جس کی پشت پر دنیا کی بہترین عقلیں ہوں گی مگر وہ خود عقل سے بے نیاز ہو گا۔ تم سب سائنسی دور کی جہالت کا شکار ہونے والے ہو.... ناچو .... ناچتے رہو۔

جس چیز سے بھاگو گے وہ ضرور تمہارا تعاقب کرے گی۔

آگ ہمارے لیے ایک نعمت سے کم نہیں ہوتی۔

ج نمبر 65

دنیا کے ہر آدمی کی رال خوب صورت عورتوں کے لیے ٹپکتی رہتی ہے۔

آدمی قضا و قدر کے ہاتھوں مجبور ہے۔ اگر تقدیر گھر پہنچانے کی بجائے کسی خوب صورت لڑکی کی طرف دھکیل دے تو وہ کیا کر سکتا ہے۔

ج نمبر 66

وہ عورت ہی تو تھی جس نے آدم کو جنت سے نکلوایا تھا اس کے باوجود بھی اسے پیاری رہی۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ بچوں کے لیے جسمانی زندگی کی آسائش مہیا کر دینے تک ہی ان کے فرائض کی حدود ہیں بچوں کی ذہنی زندگی سے انہیں کوئی سروکار نہیں ہوتا۔ یہ

بے حد خطرناک ہے۔

ج نمبر90

جو کچھ تمہارے مقدر میں ہے۔ کہیں بھی جاؤ پورا ہو کر رہے گا۔

عورت بجائے خود ایک قوم ہے' مردوں کی طرح اسے رنگ نسل کے اعتبار سے تقسیم نہیں کیا جا سکتا۔

ج نمبر65

دنیا کے ہر آدمی کو کسی نہ کسی کی موت کا صدمہ ضرور سہنا پڑتا ہے۔

ج نمبر66

فن کار کا کوئی مذہب نہیں ہوتا۔ فن ہی اس کا مذہب ہے۔ وہ نہ ہندو ہوتا ہے اور نہ مسلمان۔

ج نمبر91

آج کی دنیا میں رہنے سے بہتر ہے کہ آدمی کنوئیں میں چھلانگ لگا دے۔

دنیا میں اس سے بڑھ کر کوئی علم نہیں ہے کہ آدمی کو سمجھنے کی کوشش کرے۔

ذرا ذرا سی باتیں ہی معاشرے کی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

قانون کی پابندی ہر شہری کا فرض ہے۔

ایک خاموشی ہزار بلائیں ٹالتی ہے۔

رحم دل آدمی دنیا میں کچھ نہیں کر سکتے۔ یہ لفظ "رحم دلی" دراصل چالاک بزدلوں کا تراشا ہوا ہے۔ جس کام کی ہمت نہیں پڑتی اسے رحم دلی کے خانے میں ڈال دیا جاتا ہے اور جس کام کے کر گزرنے کی سکت ہوتی ہے اسے دوسرے خوبصورت نام دیئے جاتے ہیں' خواہ بربریت کی ہی حد کیوں نہ ہو جائے۔ یہ بیسویں صدی ہے۔

ج نمبر 67

آپ کی کامیابی کا راز دراصل آپ کی اصول پسندی ہی میں مضمر ہے۔

اِدھر اُدھر کی باتوں میں آدمی ہمیشہ ننگا ہو جاتا ہے۔

مکھیاں مارنا کام بھی ہے اور شغل بھی۔

ج نمبر 68

گھروں میں بیٹھ کر جنگ کی خبریں سُننا اور پڑھنا اور بات ہے لیکن آپ تصور بھی نہیں کر سکتے کہ میدان جنگ کس چڑیا کا نام ہے۔ آپ کسی کی فتح اور شکست پر بغلیں تو بجا سکتے ہیں لیکن شکست کھانے والے تو الگ رہے خود فاتحین سے پوچھیئے کہ ان پر کیا گزری ہے۔ کیا ان کے ہاتھ اس قابل رہ گئے ہیں کہ وہ بغلیں ہی بجانے کے کام آسکیں۔

اگر آدمی کا دائرہ معلوم اس کی قوت عمل سے زیادہ ہو تو وہ اپاہج ہو کر رہ جاتا ہے اس صورت میں وہ باتیں تو بڑی لمبی چوڑی کرتا ہے لیکن عملی اعتبار سے صفر ہی رہتا ہے۔

ج نمبر 69

شراب اُم الخبائث اسی لیے کہلاتی ہے کہ اس کے استعمال کرنے والے ہر قسم کی خباثت اختیار کر سکتے ہیں۔

قتل عموماً غصے اور نفرت ہی کے تحت ہوتے ہیں۔

عورت میں مامتا کا جذبہ اسے بہت پیچیدہ بنا دیتا ہے۔

ہر ماں اپنے بچے کو کسی دوسری عورت کے لیے جوان کرتی ہے۔

ہر ماں جس بچے کو بیس سال میں آدمی بناتی ہے اسے کوئی دوسری عورت صرف بیس منٹ میں الو بنا کر رکھ دیتی ہے۔

یہاں کوئی کسی کا ہمدرد نہیں ہے۔

میری دانست میں تو وہ عورت ہی نہیں ہے جو دن میں دو چار بار ناک بھوں نہ چڑھائے... ہر ایک آدمی کو کاٹنے نہ دوڑے جو اس میں دل چسپی لیتا ہو۔

ج نمبر 91

خدا پولیس کی نحوست سے بچائے۔

یہ دنیا ہر اعتبار سے عجیب ہے۔

نہایت منحوس ہے وہ گھر جہاں کوئی عورت نہ ہو!

شادی اور حصول علم کے لیے کسی عمر کا تعین نہیں کیا گیا۔

ہر شخص ذاتی آسودگی کی تلاش میں سرگرداں ہے خواہ اس کی راہ جہنم ہی سے کیوں نہ

گزرتی ہو۔

مرد کو موردِ الزام ٹھہرانے والے دنیا کی سب سے پہلی عورت کا کارنامہ بھول جاتے ہیں! .... ارے مرد تو شروع ہی سے بدھو رہا ہے۔ بھئی حد ہوگئی بدھو پن کی، حکم خداوندی ایک طرف اور عورت کی نگاہ التفات ایک طرف۔ البتہ شیطان بڑا کائیاں تھا! جانتا تھا جسے سجدہ کرنے کو کہا جارہا ہے اس میں عورت بھی پوشیدہ ہے۔ لہٰذا اس نے آنکھیں بند کر کے طوقِ لعنت قبول کرلیا۔

ج نمبر 92

سماجی قدریں تیزی سے بدل رہی ہیں۔ آج سے پندرہ بیس سال پہلے شرافت کا جو معیار تھا اسے آج فلاکت زدگی اور جہالت سے تعبیر کیا جاتا ہے مثال کے طور پر "پردہ" کو لے لیجیے۔ پہلے یہ شرافت اور عالی نسبی کی پہچان تھی۔ آج پردہ نشیں خواتین کو یا تو نچلے طبقے سے متعلق سمجھا جاتا ہے یا جاہل۔

پیشرس ج نمبر 92

وہی آدمی خوش رہ سکتا ہے جسے انجام کی پرواہ نہ ہو۔

ج نمبر 93

جسم اور روح کا رشتہ استوار رکھنے کے لیے کیا کچھ نہیں کرنا پڑتا۔

غدار اپنے گلے میں تختیاں نہیں لٹکائے پھرتے۔ وہی ہوتے ہیں جن کے متعلق سوچا بھی نہ جاسکے۔

برقعے اس لیے تو نہیں اتارے کہ تم نظریں نیچی کیے ہوئے ہمارے قریب سے گزر جاؤ۔

لڑکیوں کے ساتھ ہمیشہ گڑ ہی میں گرنا پڑتا ہے۔

دشمن بھی وہی شخص بنا سکتا ہے جو دوست بنانے کی صلاحیت رکھتا ہو.....

یہ خوبصورت لڑکیاں یہ سمجھتی ہیں کہ ہر ایک ان کے پیچھے دم ہلاتا پھرے گا۔

لڑکیاں عموماً کمزور دل ہوتی ہیں۔

پیٹ پالنے کے لیے آدمی کو ہزاروں بہروپ بھرنے پڑتے ہیں! .....اور کبھی کبھی جب یہ بہروپ قانون سے ٹکرانے کی کوشش کرتے ہیں تو پھر وہ محض بہروپ نہیں رہ جاتے۔انہیں مختلف قسم کے جرائم کے نام سے یاد کیا جاتا ہے ....

وہ بدمعاش ہی نہیں ہے جس کی پشت پناہی کے لیے کوئی شریف آدمی نہ کھڑا ہو جائے۔

کسی کے بھی والدین ہمیشہ زندہ نہیں رہتے اگر رہیں تو زندگی تلخ ہو کر رہ جائے۔ساری دنیا میں کہیں بھی کوئی جوان آدمی نظر نہ آئے۔

ہر خوبصورت لڑکی کے درجنوں عاشق ہوتے ہیں ان میں سے کسی انتہائی سعادت مند برخوردار کو چن لینا چاہیئے اور بقیہ پر خاک ڈالی جائے۔ان میں سے کچھ ہیکڑ خان تمہیں دھمکیاں بھی دیں گے۔لیکن پرواہ نہ کرو۔پہلی ولادت کے بعد ہی ٹھنڈے پڑ جائیں گے۔ عشق میں دشمنیاں صرف فلموں میں چلتی ہیں عملی زندگی میں نہیں۔

ج نمبر94

ہماری قوم ہر وقت خون کو گرمائے رکھنا چاہتی ہے۔پتہ نہیں آپ کو یاد ہو یا نہ ہو کہ سڑی

ادب کے طوفان سے پہلے یہاں تاریخی ناولوں کا سیلاب آیا ہوا تھا۔ جن کے ہر صفحے پر ''کشتوں کے پشتے'' نظر آیا کرتے تھے۔ اس سے بھی پہلے مرزا غالب تک اکثر ''ڈھول دھپے'' کا شکار ہوئے ہیں۔ بہر حال کیا عرض کروں ..... اکثریت ایسے پڑھنے والوں کی ہے جو کتاب کے ہر صفحے پر ''ڈھول دھپا'' دیکھنا چاہتے ہیں۔

ج نمبر 95 کے پیشرس سے

ہر آدمی کو حق حاصل ہے۔ خدا کی بنائی ہوئی زمین پر جہاں چاہے رہے۔

ذہنی یا جسمانی اذیتوں سے بچنے کے لیے لوگ خودکشی کی طرف جاتے ہیں۔

بعض اوقات قیاس بھی حقیقت میں تبدیل ہو جاتا ہے۔

ج نمبر 95

کوئی بھی فن معصومیت اور پاکیزگی کے بغیر پروان نہیں چڑھ سکتا۔

مختلف چاہتیں فن کو آگے بڑھانے کا ذریعہ بنتی رہی ہیں! مجھے اس کا اعتراف ہے۔ کسی بھی درخت کو بڑھنے کے لیے کئی برساتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔

ج نمبر 96

اگر محبوب سے چھیڑ چھاڑ بھی نہ ہوتی رہے تو پھر محبت کا فائدہ ہی کیا۔

بوڑھے ..... عورتوں کی بے راہ روی کا تذکرہ تو منہ بگاڑ کر کریں گے لیکن تفصیل کے ساتھ ..... رال ٹپکاتی ہوئی آنکھیں اس وقت دیکھنے کے قابل ہوتی ہیں۔ جب وہ ان کے چست لباس کا تذکرہ کرتے ہیں۔ ہونٹوں میں تو متنفر آمیز کھنچاؤ ہوتا ہے لیکن آنکھیں بھیک مانگتی نظر

آتی ہیں۔ اور پھر آخر تفصیل میں جانے کی کیا ضرورت ہوتی ہے۔ کیا اتنا کہہ دینا کافی نہیں ہوتا کہ آج کل کی عورت خودنمائی کے سلسلے میں سخت نامعقولیت کا ثبوت دے رہی ہے۔

آدم کی پسلی سے کسی حوا کی پیدائش کی کیا ضرورت تھی۔ تو بڑی شان والا ہے۔ صرف آدم سے ہی کام چلا لیا ہوتا .... نہیں چلی ... عورت کے بغیر تیری بھی نہیں چلی۔ ....

آدمی کو تنہائی کا احساس نہ ہونا چاہیئے .... ورنہ وہ بعض اوقات خودکشی تک کر لیتا ہے۔
زیادہ ذہین عورتیں مخلص نہیں ہوتی۔

ج نمبر 98

تفریحی کُتب اس لیے ہوتی ہیں کہ ان سے صرف ذہنی تھکن دور کر لی جائے۔ انہیں اوڑھنا اور بچھونا بنا لینا کسی طرح بھی درست نہیں۔

ج نمبر 97 کے پیشرس سے

بعض مجبوریاں اکثر برا بھی بنا دیتی ہیں!

ج نمبر 97

غصہ بری چیز ہے! لیکن شادی شدہ لوگوں کا طرۂ امتیاز بن کر رہ جاتا ہے!

محبت اپنی جگہ ایک ہمہ گیر جذبہ ہے۔

اذیت پسندی کی سب سے بھیانک قسم! اپوزٹ سیکس کو جنسی بے چارگی میں مبتلا کر دینے کا رجحان اکثر قتل و غارت گری تک بھی لے جاتا ہے! ایسی ہستیاں خود بھی آہستہ آہستہ غیر شعوری طور پر جنسی جنوں میں مبتلا ہوتی چلی جاتی ہیں .... ایسے لوگ اپنا تختۂ مشق بنانے کے

لیے یا تو جسمانی اپاہجوں کو تلاش کرتے ہیں یا ذہنی اپاہجوں کو!

میں ذہنی اپاہج انہیں کہتا ہوں .... جس کا کوئی جذبہ کسی خیال کے تحت اچانک سر دپڑ جاتا ہو .... یا خیال اس جذبے پر اس شدت سے حاوی ہوتا ہو کہ جذبے کے اظہار کی راہ میں دیوار بن جائے .... اور یہ بھی یاد رکھو کہ ذہنی اپاہج بنائے جاتے ہیں۔

ج نمبر 99

کبھی کبھی دوسرے ہماری طرح نہیں سوچتے۔

میں عورتوں اور مردوں میں فرق کرنے کا عادی نہیں ہوں اور کیوں فرق کروں جب کہ عورتیں مردوں کے دوش بدوش کام کرنے کا دعویٰ رکھتی ہیں۔

ج نمبر 60

کبھی کبھی ہم غیر شعوری طور پر بہت زیادہ خود پسند ہو جاتے ہیں۔

ج نمبر 101

پتہ نہیں لوگ کردار کے دوسرے پہلوؤں کو کیوں نظر انداز کر دیتے ہیں۔ محض باعصمت ہونا ہی آدمی کو آدمی نہیں بناتا۔

دنیا کا ہر آدمی معقولیت پسند ضرور ہوتا ہے۔

ظلم کرنے والے ظلم برداشت کرنے کی قوت بھی رکھتے ہیں۔

اگر میں کسی کی موت پر قہقہے لگاؤں تو قانون میرا کیا بگاڑے گا۔

قانون تو کچھ نہیں بگاڑ سکے گا مگر انسانیت ضرور تم پر روئے گی۔ انسانیت تو ازل ہی سے روتی آئی ہے۔

ہم سب کتے ہیں۔ کوئی کاٹ لینے کی دھمکی دیتا ہے اور کوئی نہایت خاموشی سے کاٹ لیتا ہے۔ لیکن کتے احسان فراموش نہیں ہوتے۔

ج نمبر 66

شریف آدمی ہر وقت نشے میں ڈوبے رہنا نہیں پسند کرتے۔

گوشت اور ہڈیوں کے ڈھیر کو حیوان کہتے ہیں۔ آدمی تو اپنی کھوپڑی میں جنم لیتا ہے اور کھوپڑی ہی میں مر جاتا ہے۔

ہمارے یہاں فاتح شکست خوردہ لوگوں کے سروں پر اپنے ہاتھ سے استرا چلاتا ہے اور اس وقتی حجامیت کو ہم اسپورٹس مین اسپرٹ میں لیتے ہیں۔

لفظ ''قوم'' میں بچپن ہی سے سنتا آرہا ہوں' لیکن آج تک اس کے معنی سمجھ میں نہیں آسکے۔ کیا آپ براہ کرم میرے لیے تھوڑی سی تکلیف گوارہ کریں گی۔ مطلب یہ کہ .... قوم کس چڑیا کا نام ہے۔

باتوں ہی باتوں میں بہتیری کام کی باتیں بھی معلوم ہو جاتی ہیں۔

انتہائی مایوسی کے عالم میں عاشق مزاجوں کو خودکشی کی سوجھتی ہے۔

ج نمبر 78

"عمران سیریز" کی فہرست

ابن صفیؒ نے "عمران سیریز" کے لافانی کرداروں پر جتنی کتب لکھی ہیں ان کے نام درج ذیل ہیں:

عمران سیریز نمبر 1 : خوفناک عمارت
عمران سیریز نمبر 2 : چٹانوں میں فائر
عمران سیریز نمبر 3 : پُراسرار چیخیں
عمران سیریز نمبر 4 : بھیانک آدمی
عمران سیریز نمبر 5 : جہنم کی رقاصہ
عمران سیریز نمبر 6 : نیلے پرندے
عمران سیریز نمبر 7 : سانپوں کے شکاری
عمران سیریز نمبر 8 : رات کا شہزادہ
عمران سیریز نمبر 9 : دھوئیں کی تحریر
عمران سیریز نمبر 10 : لڑکیوں کا جزیرہ
عمران سیریز نمبر 11 : پتھر کا خون
عمران سیریز نمبر 12 : لاشوں کا بازار
عمران سیریز نمبر 13 : قبر اور خنجر
عمران سیریز نمبر 14 : آہنی دروازہ
عمران سیریز نمبر 15 : کالے چراغ
عمران سیریز نمبر 16 : خون کے پیاسے
عمران سیریز نمبر 17 : الفانسے
عمران سیریز نمبر 18 : درندوں کی بستی
عمران سیریز نمبر 19 : گمشدہ شہزادی
عمران سیریز نمبر 20 : حماقت کا جال
عمران سیریز نمبر 21 : شفق کے پجاری
عمران سیریز نمبر 22 : قاصد کی تلاش
عمران سیریز نمبر 23 : رائی کا پربت
عمران سیریز نمبر 24 : پاگل کتے
عمران سیریز نمبر 25 : پیاسا سمندر (پہلا خاص نمبر)
عمران سیریز نمبر 26 : کالی تصویر
عمران سیریز نمبر 27 : سوالیہ نشان
عمران سیریز نمبر 28 : خطرناک لاشیں
عمران سیریز نمبر 29 : گیند کی تباہکاری
عمران سیریز نمبر 30 : چار لکیریں
عمران سیریز نمبر 31 : چالیس ایک باون
عمران سیریز نمبر 32 : آتش دان کا بت
عمران سیریز نمبر 33 : جزوں کی تلاش
عمران سیریز نمبر 34 : عمران کا اغواء
عمران سیریز نمبر 35 : جزیروں کی روح
عمران سیریز نمبر 36 : چیختی روحیں
عمران سیریز نمبر 37 : خطرناک جواری
عمران سیریز نمبر 38 : ظلمات کا دیوتا
عمران سیریز نمبر 39 : ہیروں کا فریب
عمران سیریز نمبر 40 : دلچسپ حادثہ
عمران سیریز نمبر 41 : بے آواز سیارہ
عمران سیریز نمبر 42 : ڈیڑھ متوالے
عمران سیریز نمبر 43 : بلی چیختی ہے
عمران سیریز نمبر 44 : لوبولی لا
عمران سیریز نمبر 45 : سہ رنگا شعلہ
عمران سیریز نمبر 46 : آتشی بادل
عمران سیریز نمبر 47 : گیت اور خون
عمران سیریز نمبر 48 : دوسری آنکھ
عمران سیریز نمبر 49 : آنکھ شعلہ بنی
عمران سیریز نمبر 50 : شوگر بینک
عمران سیریز نمبر 51 : تابوت میں چیخ
عمران سیریز نمبر 52 : فضائی ہنگامہ
عمران سیریز نمبر 53 : تصویر کی اڑان
عمران سیریز نمبر 54 : گیارہ نومبر
عمران سیریز نمبر 55 : مناروں والیاں
عمران سیریز نمبر 56 : سبز لہو
عمران سیریز نمبر 57 : بحری یتیم خانہ
عمران سیریز نمبر 58 : پاگلوں کی انجمن

عمران سیریز نمبر 59 : بلاکوائینڈ کو
عمران سیریز نمبر 60 : پہاڑوں کے پیچھے
عمران سیریز نمبر 61 : بزدل سورما
عمران سیریز نمبر 62 : دست قضا
عمران سیریز نمبر 63 : ایش ٹرے ہاؤز
عمران سیریز نمبر 64 : عقابوں کے حملے
عمران سیریز نمبر 65 : پھروہی آواز
عمران سیریز نمبر 66 : خون ریز تصادم
عمران سیریز نمبر 67 : تصویر کی موت
عمران سیریز نمبر 68 : کنگ چانگ
عمران سیریز نمبر 69 : دھوئیں کا حصار
عمران سیریز نمبر 70 : سمندر کا شگاف
عمران سیریز نمبر 71 : زلزلے کا سفر
عمران سیریز نمبر 72 : بلیک اینڈ وائٹ
عمران سیریز نمبر 73 : نادیدہ ہمدرد
عمران سیریز نمبر 74 : ادھورا آدمی
عمران سیریز نمبر 75 : آپریشن ڈبل کراس
عمران سیریز نمبر 76 : خیراندیش
عمران سیریز نمبر 77 : پوائنٹ نمبر بارہ
عمران سیریز نمبر 78 : ایڈلاوا
عمران سیریز نمبر 79 : بمبوکیسل
عمران سیریز نمبر 80 : معصوم درندہ
عمران سیریز نمبر 81 : بیگم ایکسٹو
عمران سیریز نمبر 82 : شہباز کا بسیرا
عمران سیریز نمبر 83 : ریشوں کی یلغار
عمران سیریز نمبر 84 : خطرناک ڈھلان
عمران سیریز نمبر 85 : جنگل میں منگل
عمران سیریز نمبر 86 : تین سنکی
عمران سیریز نمبر 87 : آدھا تیتر
عمران سیریز نمبر 88 : آدھا بٹیر
عمران سیریز نمبر 89 : علامہ دہشت ناک
عمران سیریز نمبر 90 : فرشتے کا دشمن
عمران سیریز نمبر 91 : بیچارہ شہ زور
عمران سیریز نمبر 92 : کالی کہکشاں
عمران سیریز نمبر 93 : سہ رنگی موت
عمران سیریز نمبر 94 : متحرک دھاریاں
عمران سیریز نمبر 95 : جونک اور ناگن
عمران سیریز نمبر 96 : لاش گاتی رہی
عمران سیریز نمبر 97 : خوشبو کا حملہ
عمران سیریز نمبر 98 : بابانگ پرست
عمران سیریز نمبر 99 : بھٹکتے محافظ
عمران سیریز نمبر 100 : ہلاکت خیز (دوسرا خاص نمبر)
عمران سیریز نمبر 101 : زیبرا مین
عمران سیریز نمبر 102 : جنگل کی شہریت
عمران سیریز نمبر 103 : مونالیزا کی نواسی
عمران سیریز نمبر 104 : خونی فنکار
عمران سیریز نمبر 105 : موت کی آہٹ
عمران سیریز نمبر 106 : دوسرا رخ
عمران سیریز نمبر 107 : چٹانوں کا راز
عمران سیریز نمبر 108 : ٹھنڈا سورج
عمران سیریز نمبر 109 : تلاش گمشدہ
عمران سیریز نمبر 110 : آگ کا دائرہ
عمران سیریز نمبر 111 : لرزتی لکیریں
عمران سیریز نمبر 112 : پتھر کا آدمی
عمران سیریز نمبر 113 : دوسرا پتھر
عمران سیریز نمبر 114 : خطرناک انگلیاں
عمران سیریز نمبر 115 : رات کا بھکاری
عمران سیریز نمبر 116 : آخری آدمی

ابن صفی (بی اے) کے درج ذیل عمران کے وہ ناول ہیں جو "سیریز" سے ہٹ کر مختلف رسائل میں قسط وار چھپتے رہے ہیں۔

☆ ڈاکٹر دعاگو
☆ جونک کی واپسی
☆ زہریلی تصویر
☆ بیباکوں کی تلاش

ابن صفی (بی اے) کی درج ذیل کتب مضامین کا مجموعہ جو کہ کتابی شکل میں چھاپہ گیا ہے۔

☆ ساڑھے پانچ بجے (مجموعہ مضامین)
☆ بلدران کی ملکہ (مکمل ناول شکرال سیریز کا)

"جاسوسی دنیا سیریز" کی فہرست

ابن صفی نے "عمران سیریز" سے قبل بھارت کے شہر الٰہ آباد سے "جاسوسی دنیا" سیریز شروع کی۔ جس کو پاکستان میں "کرنل فریدی سیریز" کے نام سے زیادہ جانا پہچانا جاتا ہے۔ "جاسوسی دنیا" سیریز کے انہوں نے جتنے ناول لکھے ان کے نام درج ذیل ہیں۔

جاسوسی دنیا سیریز نمبر 1 دلیر مجرم
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 2 خوفناک جنگل
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 3 عورت فروش کا قاتل
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 4 تجوری کا راز
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 5 فریدی اور لیونارڈ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 6 پراسرار کنواں
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 7 خطرناک بوڑھا
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 8 مصنوعی ناک
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 9 پراسرار اجنبی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 10 احمقوں کا چکر
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 11 پہاڑوں کی ملکہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 12 موت کی آندھی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 13 ہیرے کی کان
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 14 تجوری کا گیت
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 15 آتشی پرندہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 16 خونی پتھر
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 17 بھیانک جزیرہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 18 عجیب آوازیں
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 19 رقاصہ کا قتل
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 20 نیلی روشنی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 21 شاہی نقارہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 22 خون کا دریا
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 23 قاتل سنگ ریزے
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 24 پتھر کی چیخ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 25 خوفناک ہنگامہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 26 دوہرا قتل
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 27 چار شکاری
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 28 بے گناہ مجرم
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 29 لاشوں کا آبشار
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 30 مونچھ مونڈنے والی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 31 گیتوں کے دھماکے
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 32 سیاہ پوش لٹیرا
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 33 برف کے بھوت
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 34 پُر ہول سناٹا
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 35 چیختے دریچے
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 36 خطرناک دشمن
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 37 جنگل کی آگ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 38 پگلی لاش
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 39 اندھیرے کا شہنشاہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 40 پُراسرار وصیت
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 41 موت کی چٹان
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 42 نیلی لکیر
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 43 تاریک سائے
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 44 سازش کا جال
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 45 خونی بگولے
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 46 لاشوں کا سوداگر
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 47 ہولناک ویرانے
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 48 لیونارڈ کی واپسی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 49 بھیانک آدمی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 50 پاگل خانے کا قیدی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 51 شعلوں کا ناچ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 52 گیارہواں زینہ

جاسوسی دنیا سیریز نمبر 53 سرخ دائرہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 54 خون خوار لڑکیاں
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 55 سائے کی لاش
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 56 پہلا شعلہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 57 دوسرا شعلہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 58 تیسرا شعلہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 59 جہنم کا شعلہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 60 زہریلے تیر
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 61 پانی کا دھواں
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 62 لاش کا قہقہہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 63 ڈاکٹر ڈریڈ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 64 شیطان کی محبوبہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 65 انوکھے رقاص
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 66 پراسرار موجد
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 67 طوفان کا اغواء
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 68 رائفل کا نغمہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 69 ٹھنڈی آگ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 70 جاپان کا فتنہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 71 دشمنوں کا شہر
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 72 لاش کا بلاوا
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 73 گارڈ کا اغواء
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 74 شادی کا ہنگامہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 75 زمین کے بادل (پہلا عمران فریدی نمبر)
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 76 وبائی ہیجان
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 77 اونچا شکار
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 78 آوارہ شہزادہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 79 چاندنی کا دھواں
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 80 سینکڑوں ہمشکل
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 81 لڑاکوں کی بستی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 82 الٹی تصویر
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 83 چمکیلا غبار
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 84 انوکھی رہزنی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 85 دھواں اٹھ رہا تھا
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 86 فرہاد 1959ء
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 87 زہریلا آدمی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 88 پرنس وحشی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 89 پجاری

جاسوسی دنیا سیریز نمبر 90 اشاروں کے شکار
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 91 ستاروں کی موت
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 92 ستاروں کی چیخیں
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 93 ساتوں جزیرہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 94 شیطانی جھیل
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 95 سنہری چنگاریاں
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 96 سہمی ہوئی لڑکی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 97 قاتل کا ہاتھ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 98 رلانے والی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 99 تصویر کا دشمن
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 100 دیو پیکر درندہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 101 ٹسنڈل کی بیداری
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 102 خوف ناک منصوبہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 103 تباہی کا خواب
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 104 مہلک شناسائی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 105 دھواں ہوئی دیوار
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 106 خونی ریشے
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 107 تیسری ناگن
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 108 ریگم بالا
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 109 بھیڑیے کی آواز
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 110 اجنبی کا فرار
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 111 روشن ہیولی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 112 زرد فتنہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 113 ریت کا دیوتا
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 114 سانپوں کا مسیحا
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 115 ٹھنڈا جہنم
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 116 عظیم حماقت
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 117 زہریلا سیارہ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 118 نیلم کی واپسی
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 119 موروثی ہوس
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 120 دہشت گرد
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 121 شکاری پرچھائیاں
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 122 پرچھائیوں کے حملے
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 123 سائیوں کا ٹکراؤ
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 124 ہمزاد کا مسکن
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 125 صحرائی دیوانہ (اول)
جاسوسی دنیا سیریز نمبر 126 صحرائی دیوانہ (دوم)

پرستار ابنِ صفیؒ ابنِ حق

کی تحریر کردہ عمران سیریز

1۔ معاشرے کا دشمن	(زیرِ طبع)	سیکنڈ ایڈیشن	قیمت	60.00
2۔ نقلی موت	(زیرِ طبع)	"	قیمت	60.00
3۔ موت کے قاتل	(زیرِ طبع)	"	قیمت	60.00
4۔ ڈینجر ڈیتھ	(زیرِ طبع)	"	قیمت	60.00
5۔ ویڈیو مشن	(زیرِ طبع)	"	قیمت	60.00
6۔ ٹکا گروپ	(زیرِ طبع)	"	قیمت	60.00
7۔ اشوکا اور ناپان (خاص نمبر)	(زیرِ طبع)	"	قیمت	200.00
8۔ ٹائیگر اسنوڈا (خاص نمبر)	(زیرِ طبع)	"	قیمت	200.00
9۔ عمران اور فریدی (خاص نمبر)	(زیرِ طبع)	"	قیمت	300.00
10۔ سبز ناگن (کیپٹن حبیب سیریز)	(زیرِ طبع)		قیمت	60.00

''ابن صفی نے کہا'' کا پہلا ایڈیشن غالباً 1992 میں شائع ہوا تھا۔یعنی یوں کہا جائے کہ ابن صفی کی شخصیت پر شائع ہونے والی اس کتاب کو اولیت کا درجہ حاصل ہے یہ کتاب پہلے چھوٹے سائز میں شائع ہوئی تھی اور بہت ہی مختصر سی تھی ۔اب اس میں مزید اضافہ کر دیا گیا ہے آپ یوں کہہ سکتے ہیں کہ اب یہ کتاب بالکل نئی کتاب ہے محترم ابن حق کا شمار ابن صفی کے پرستاروں میں ہوتا ہے۔ان کے دل میں ابن صفی کے لئے جو عزت واحترام ہے اسکی مثال نہیں دی جاسکتی۔ابن حق نے ابن صفی کی تمام کتابیں لفظ ولفظ پڑھ رکھی ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ جاسوسی دنیا میں لکھنے والا رائیٹر ان جیسا پورے ایشیاء میں اور کوئی نہیں اور یہ بات شائد درست بھی ہے۔ابن صفی آج بھی اتنا ہی پڑھا جاتا ہے جتنا 25,20 سال پہلے پڑھا جاتا تھا ان کے پڑھنے والوں میں روز بروز اضافہ ہو رہا ہے۔ اس وقت ابن صفی کی شخصیت پر بے شمار کتابیں آئی ہیں۔ ہمارے ادارے نے دیکھا کہ ان کتابوں میں زیادہ تر لوگوں کی رائے موجود ہے ابن صفی کے جملے موجود نہیں اس لئے ہم نے ابن حق کی یہ کتاب شائع کرنے کا پروگرام بنایا اور اب کتاب آپ کے ہاتھوں میں ہے۔اسکی خامیوں کے بارے میں ہمیں ضرور مطلع کریں۔

ادارہ